اللّٰہ اکبر! اللّٰہ اکبر! لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر! اللّٰہ اکبر! وللہ الحمد!



﴿ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً
مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ [البقرۃ: ۱۲۷ - ۱۲۹]

”اور (یاد کرو) جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل (بھی۔ تو وہ دعائیں کر رہے تھے) اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ ہمارے ربّ! اور ہمیں اپنا فرماں بردار بنا لے اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت اپنی فرماں بردار بنا، اور ہمیں ہمارے طریقہ ہائے بندگی سکھا اور ہم پر رجوع فرما، بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اور ان میں انھی میں سے ایک رسول اُٹھا جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انھیں کتاب و حکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی (ہر کام پر) غالب حکمت والا ہے۔“

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ

(مولانا ابوالکلام آزادؒ)

میں نے ہمیشہ اس امر پر غور کیا ہے کہ

① ......تمام قرآنِ کریم میں بیسیوں انبیائے سابقین کے حالات واعمال بیان کیے گئے ہیں، لیکن کسی کی تمام تر زندگی کو بطور ایک نمونے کے مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کیا ہے، الاحضرت ابراہیم کی۔

② ......تمام قرآن میں ''اُسوۂ حسنہ'' کا لفظ صرف تین مقامات میں آیا ہے: اوّل سورۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ کی نسبت، اور پھر سورۂ ممتحنہ میں دو مرتبہ حضرت ابراہیم کی نسبت۔ اس کی علت کیا ہے؟

③ ......سورۂ احزاب اور سورۂ ممتحنہ، دونوں سورتیں زیادہ تر احکامِ جہاد وقتال فی سبیل اللہ، اور بعض مقاتلات کے نتائج وورود ابتلاء وآزمائش، وعجائبات نصرت الٰہیہ کے بیان سے مملو ہیں۔ پھر یہ دونوں آیتیں جن رکوعوں میں آئی ہیں، وہ بھی تمام تر ذکر جہاں پر مبنی ہیں۔ ضرور ہے کہ اس میں بھی کوئی علت ہو۔

④ ......دونوں مقامات میں پوری مماثلت، حتی کہ اشتراکیت جزئیات بیان بھی موجود ہے۔ سورۂ احزاب میں اس آیت کا وہ موقعہ ہے جہاں جنگ احزاب یا جنگ خندق کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور زیادہ تر اُن منافقین اور ضعیف القلب اشخاص کا حال بیان کیا ہے جو اپنی تین ہزار کی جمعیت کے مقابلہ میں حملہ آوروں کی بارہ ہزار مسلح اور متحدہ قوت دیکھ کر گھبرا اٹھے تھے۔ پھر اُس نصرتِ الٰہی کا حوالہ دیا ہے، جس نے محصورین کو کامیاب کیا اور تمام حملہ آور ناکام وخاسر واپس گئے: ﴿ هنالك ابتلى المسلمون وزلزلوا زلزالا شديدا ﴾

بعینہٖ یہی حال سورۂ ممتحنہ کے پہلے رکوع کا ہے۔ فتح مکہ سے پیشتر جب آنحضرت نے چڑھائی کا ارادہ کیا، تو حاطب بن ابی بلتعہ نامی ایک صحابی تھے، جن کے اہل وعیال مکہ میں موجود تھے۔ انھوں نے پوشیدہ طور پر ان کو اطلاع دے دی کہ اپنے تحفظ کا انتظام کر رکھیں۔ وحی الٰہی سے یہ حال آنحضرت ﷺ پر منکشف ہو گیا اور آدمی دوڑا کر وہ خط راہ سے واپس منگوا لیا، اس پر یہ سورۂ نازل ہوئی۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ﴾ [الممتحنة: ١]

''مسلمانو! اُن کافروں اور دشمنانِ توحید کو اپنا دوست نہ بناؤ جو ہمارے اور تمہارے، دونوں کے دشمن ہیں۔ (یہ کیسی بات ہے کہ) تم ان سے نامہ وپیام جاری رکھتے ہو؟ حالاں کہ تمہارے پاس جو حق وصداقت اللہ کی طرف سے آئی، وہ اس سے انکار کر چکے ہیں۔''

حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے ''اُسوۂ حسنہ'' پر اسی رکوع میں توجہ دلائی گئی ہے۔

پھر آیات متعلق حرب وقتال وتشویق جہاد فی سبیل اللہ میں اس ''اُسوۂ حسنہ'' پر توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی؟

اصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم اسلام کی جس حقیقت کو دنیا کے آگے پیش کرنا چاہتا تھا، اس کے لحاظ سے اگر کوئی زندگی ''اُسوۂ حسنہ'' ہوسکتی تھی، تو وہ صرف حضرت ابراہیم ہی کی زندگی تھی۔ اسلام ایک صداقت ہے، اور اس لیے دنیا میں اُس وقت سے موجود ہے جس وقت سے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں صداقت ہے، لیکن اس صداقت مبین کو ایک شریعت الٰہیہ کی صورت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم ہی نے پیش کیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے ہر جگہ ان کو ملت حنفی کے اوّلین واعظ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمين ! جب حضرت ابراہیم سے ان کے پروردگار نے کہا کہ مسلم (یعنی سچے فرماں بردار) ہو جاؤ، تو انھوں نے کہا کہ میں اسلام لایا تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے۔

فہرست

قربانی کا مقصد

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لاَ دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [الحج:۳۷]

''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا ہے تا کہ تم اس کی رہنمائی کے شکریے میں اس کی بڑائیاں بیان کرو، اور نیک لوگوں کو خوش خبری سنا دیجیے۔''

قربانی نہ کرنے والوں کے لیے وعید

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا)) [ابن ماجه: ۳۱۲۳] ☆

''جو کوئی باوجود استطاعت کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔''

....

☆...... یہ روایت موقوف صحیح ہے۔

قربانی کی دعا

ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھنی مسنون ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی اور یہ دعا پڑھی:

''اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ـ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ـ'' پھر ذبح کیا [ابو داؤد:۲۷۹۵]

امن کے لیے روزگار

اداریہ — حافظ احمد شاکر

انتخابات منعقد ہوئے یا جمہوریت آئے ہوئے نو ماہ ہو چکے اور انتقال اقتدار کو بھی نو ماہ ہونے کو ہیں لیکن افسوس کہ جمہوریت کے ساتھ بشارتیں اور امیدیں وابستہ کی جاتی رہیں سوائے چہروں کی تبدیلی کے ملک وقوم کے سامنے اب تک ان کا کوئی ثمر نہیں آیا۔

امن وامان کی صورت حال میں کوئی اہم تبدیلی نہیں آئی۔ کیوں نہیں آئی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی بصیرت کے مطابق تو جب تک معاشرے سے بے روزگاری اور بے کاری ختم نہ ہوگی تب تک امن وامان ممکن ہی نہیں ہوتا کہ خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں سابقہ حکومت کی معاشی پالیسی کا نکتہ اوّل ہی یہ تھا کہ قوم کو بے کار رکھ کر افلاس اور بھوک میں اس حد تک مبتلا کر دو کہ اس کے ضمیر میں وقار اور غیرت نام کی کوئی شے باقی نہ رہے۔ چناں چہ سابقہ حکومت نے اس پالیسی کو بروئے کار لاتے ہوئے سرکاری ملازموں کے گریڈ ...... درجات ...... جام کر دیے۔ مستقل ملازمین ختم کر کے ملازمتیں عارضی کر دیں، مہنگائی خصوصاً سرکاری واجبات ...... پانی، بجلی، گیس، ایندھن ...... کے نرخ اس قدر زیادہ کر دیے کہ ہر فرد پیٹ بھرنے کے لیے ...... الامن رحم ربی ...... خائن وبددیانت ہو جائے یا پھر جرائم پیشہ اور ضمیر فروش بن جائے۔ تعلیم سے کنارہ کشی کی پالیسی کو یوں نمو دی گئی کہ سائنس وٹیکنالوجی سے آنے والی نسل کو بددل کرنے کے لیے اپنے وقت کے محسنوں، عظیم سائنس دانوں اور معروف سرجنوں اور معالجوں کی پکڑ دھکڑ کے علاوہ سند یافتہ طلباء وطالبات کو کسی بھی قسم کی سروس میں ترجیح نہ دی گئی بلکہ سروس کے لیے میرٹ اور صلاحیت کی بجائے اوّل درجہ سفارش اور اس کے بعد رشوت کے چلن کو عام کیا گیا۔ لہٰذا امن وامان کیسے ہو؟ امن وامان کے لیے فارغ نسل کو روزگار مہیا کرنا تو شرط اوّل ہے۔

انکل سام کے ارشادات کی تعمیل پہلے سے ترقی پذیر اب یوں ہوگئی کہ سابقہ حکومت کی اطاعت گزاری جہاں ختم ہوئی تھی اس منتخب جمہوری حکومت نے اس سے آگے شروع کی ہے اور ظاہر بات ہے کہ بھرپور پذیرائی کے لیے اگلوں سے بڑھ چڑھ کر جذبہ اطاعت دکھانا ضروری تھا۔ چناں چہ امریکا کے میزائل حملے اب آزاد علاقوں سے بندوبستی علاقوں میں گر کر اس پارلیمنٹ کی قرارداد کے پرزے اڑا رہے ہیں جسے ہر درد کی دوا کہا جاتا تھا۔ اور اندریں صورت بھی ہماری جمہوری اور عوامی حکومت ابھی تک حملوں پر احتجاج بلکہ حملے روکنے کی درخواست کا استخارہ ہی کر رہی ہے۔

اس حکومت نے آتے ہی شیوۂ دریوزہ گری بھی اپنا لیا ہے۔ بجائے اس کے کہ اخراجات کم کیے جائیں، غیر نفع بخش منصوبے ملتوی کر دیے جائیں، وزراء کی تعداد کم سے کم رکھی جائے، مختلف اداروں کو سفید ہاتھیوں سے پاک کر دیا جائے، درآمد کم کی جائے، سامانِ تعیش کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ وطن عزیز میں سرمایہ کاری کرنے والے ملکی وغیر ملکی سرمایہ کاروں کو مراعات دے کر صنعت کا پہیہ چالو رکھا جائے اور مزدور کی مزدوری کو یقینی بنایا جائے، صنعتوں کو بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ سے مستثنیٰ کیا جائے، چھوٹے صنعت کاروں اور تاجروں کے لیے انکم ٹیکس کی شرح یکساں کر دی جائے، اربوں کی ہڑپ کردہ اور معاف شدہ قومی دولت واپس لا کر معاشی بہاؤ میں شامل کی جائے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں خصوصاً ادویات، مواصلات، تیز رفتار ...... Fast Food ...... کھانے کی کمپنیوں کو محدود کر دیا جائے یا کم از کم ان کی اشتہار بازی اور تشہیری مہم کو ہی کنٹرول کیا جائے، نیز ان کی حکومتی سرپرستی اور مراعات ختم کر کے ملکی تجارت، صنعت اور معیشت کو فروغ دینا چاہیے تھا لیکن ہماری حکومت اب تک وزیروں کی بھرتی سے ہی فارغ نہیں ہو رہی۔ لہٰذا دیگر امور کی طرف توجہ کرنے کی بجائے حکومت نے کشکول اٹھا لیا ہے جو کہ کسی بھی ملک، اس کے حکمرانوں اور اس کی معیشت کے لیے بہت بڑا دھبہ ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے جس کے لیے اخراجات تو مطلوب ہوں گے ہی چاہے غالب کی طرح قرض کی مے ہی لینی پڑے۔

یہ حکومت عملاً ثابت کر رہی ہے کہ عوام صرف ان کے ہم خیالوں ہی کا نام ہے اگر چہ ہر سیاسی جماعت اور حکم ران اسی طرح ہی سوچتے اور کرتے رہے لیکن اس حکومت میں توازن کی کمی کچھ زیادہ ہی ظاہر ہو رہی ہے کہ اس کے اقتدار کا فیضان ومیلان صرف جیالوں ہی کی طرف ہے۔ یہ بھی شاید اچھی بات ہوتی اگر ایسے ہوتا لیکن حال یہ ہے کہ خدمت گزاروں اور وفاداروں کی اکثریت اب بھی محروم ہے۔اس کی بجائے موقع شناس دستر خوانی قبیلہ حسب صلاحیت فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔ حالاں کہ حکومت کو چاہیے کہ بے نظیر فوڈ سکیم جیسی پالیسیوں سے ملک کے ہر صوبے، ہر طبقے اور ہر مستحق فرد کا مستفید ہونا یقینی بنائے۔

حکومت نے جس طرح تیل کی قیمتوں میں کمی کر کے ایک اچھا قدم اٹھایا اور اچھی ریت ڈالی ہے اس کو اب بجلی اور گیس کی قیمتوں میں کمی پر بھی غور کرنا چاہیے، ہائیڈرل اداروں کے ماضی کے سب قرضے عوام ہی سے نہ نچوڑیں۔ بلکہ وہ قرضے ماضی کے حکمرانوں کی ''نیک کمائی'' سے وصول کر کے ان کو ادا کرنا چاہیے تا کہ عوام سکھ کا سانس لیں۔ ہمارا اختلافِ رائے اصل میں حکم رانوں سے نہیں اندازِ حکمرانی سے ہوتا ہے اپنی رائے کے برملا اظہار کے باوجود ہم چاہتے ہیں کہ حکومت اپنی مدت پوری کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ وطنِ عزیز کو حاسدوں کے حسد اور شریروں کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین

فٹافٹ نہیں احتیاط:

ممبئی (بھارت) میں ہونے والا حادثہ بہت بڑا انسانی سانحہ ہے جس میں کم وبیش دوصد...... اکثر...... بے گناہ انسان موت کی بھینٹ چڑھ گئے، جن میں ۸۰ مسلمان بھی ہیں۔ ان جیسے حوادث پر دل رکھنے والا کوئی بھی انسان افسوس کیے بغیر نہیں رہتا۔ ہم بھی ہر انسان کی طرح اس حادثے پر سوگوار اور افسردہ ہیں اور اس حادثے کے مجرموں کی بھرپور مذمت کرتے اور ان کے کیفر کردار تک پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

بھارتی حکم ران شاید کسی نفسیاتی مرض کا شکار ہو چکے یا ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر ایسے حادثے پر فوراً پاکستان کو ملوث کر ڈالتے ہیں اور اس کے لیے کسی بھی دروغ گوئی سے گریز نہیں کرتے بلکہ افسانہ سازی اور خانہ ساز شہادتوں کے کارخانے کھول لیتے ہیں۔

ہمارا مشورہ ہے کہ بھارتی حکومت کو مختلف پہلوؤں پر سوچنا چاہیے یہ ہم کوئی انکشاف نہیں کر رہے حکومتوں کے علم میں یقیناً یہ سب باتیں ہوتی ہیں لیکن شدت غضب میں ایسی باتیں شاید یاد ہی نہیں رہتیں۔

⦿......معلومات رکھنے والے بہت سے افراد کو علم ہوگا کہ ممبئی شہر میں بھتہ لینے والے مختلف گینگ ہمیشہ سے سرگرم رہتے ہیں ان......گینگوں......کی باہمی چپقلش یا ان کی حکم رانی کو کوئی اہم جھٹکا لگے تو کیا ایسی وارداتیں ان سے ممکن نہیں؟

⦿...... بھارت میں حکومت کے مقہور، حالات سے مجبور، حقوق سے محروم اور ظلم کے شکار طبقے کیا تنگ آمد بجنگ آمد کا کھیل نہیں کھیل سکتے، اندرا گاندھی کا قتل اور راجیو کی موت کے اسباب کیا ایسے ہی نہیں تھے؟

⦿......اسلحہ کی تجارت پر چلنے والے ممالک کیا ایسا ڈرامہ نہیں رچا سکتے؟ کہ یہی ان کا ذریعہ معاش ہے دنیا بھر میں گزشتہ ربع صدی میں ہونے والی جنگیں اور وحشت وبربریت میں ان کی لتھڑی ہوئی پالیسیاں اور فیصلے کیا اس پر شاہد نہیں؟

ان جیسے اور بھی بہت سے نکات ذکر کیے جا سکتے ہیں جن سے غرض صرف یہ ہے کہ بھارتی حکم رانوں کو ہر حادثے اور سانحے کا حکومت پاکستان کو الزام دینے کی بجائے حقائق کا جائزہ لینا چاہیے۔ برصغیر میں امن وامان کی دشمن طاقتوں کی دسیسہ کاریوں پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ کیوں کہ اکثر بھارتی حکم ران فٹافٹ ایسے بیان داغنے شروع کر دیتے ہیں جن کی بعد میں ان کو کبھی وضاحت کرنی پڑتی ہے اور کبھی ان پر ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ ہم پڑوسیوں کو ایک دوسرے پر الزام تراشی کی بجائے حقائق کو سامنے رکھ کر بیان دینے چاہئیں۔ ہمارا خیال ہے پاکستانی حکومت اس میں مناسب احتیاط کرتی ہے بھارتی حکومت کو اس کی زیادہ احتیاط کرنی چاہیے کہ کروڑوں مسلمان اس کی رعایا بھی ہیں۔

عقیدۂ توحید اور اُس کے بعض متعلقات

انتخاب وترجمہ: پروفیسر ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی (منکیرہ، بھکر)

کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے:

سوال: ریڈیو کی نشریات میں ایک بچے نے اپنے والد سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں دریافت کیا تو والد نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔اس جواب کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہ جواب بالکل غلط ہے، یہ جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ اہل بدعت کا عقیدہ وقول ہے۔ اہل السنّت والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات سے اوپر عرش پر مستوی ہے۔ البتہ اس کا علم ہر جگہ ہے۔قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور اسلافِ امت کے اجماع کے مطابق یہی درست عقیدہ ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [الاعراف: ٧/٥٤]

''بے شک تمہارا ربّ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔''

اہل سنت کے نزدیک ''استواء'' کے معنی بلند ہونے کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے جلال کو جو انداز لائق ہے وہ اس انداز سے عرش پر بلند ہوا۔اس کی کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا تھا:''الاستواء معلوم، والکیف مجھول، والسؤال عنه بدعة''

رسولِ اکرم ﷺ کا جائز اور ناجائز وسیلہ:

سوال: (اپنی دعاؤں میں) سید الانبیاء کو وسیلہ بنانے کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ درست نہیں تو اس کی حرمت کے کیا دلائل ہیں؟

جواب: اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ کی اتباع، محبت، آپ کے اوامر کی اتباع اور نواہی کے ترک اور اخلاص فی العبادۃ کو وسیلہ بنایا جائے تو یہ عین اسلام اور اللہ کا دین ہے جسے دے کر انبیائے کرام کو مبعوث کیا گیا، اور یہ ہر مکلّف پر واجب ہے۔ یہ وسیلہ دنیا وآخرت میں فوز وسعادت کا ذریعہ بنے گا، ان شاءاللہ

اس کے برعکس آپ ﷺ کو پکارنا، آپ ﷺ سے فریاد کرنا، دشمن کے خلاف آپ ﷺ سے مدد طلب کرنا اور بیماروں کے لیے آپ ﷺ سے شفا طلب کرنا یہ تمام امور شرکِ اکبر ہیں۔ ابوجہل اور اس جیسے دیگر بت پرستوں کا یہی دین ہے۔ مشرکین انبیاء، اولیاء، جنات، ملائکہ، اشجار واحجار اور اصنام کے ساتھ یہی طرزِ عمل اختیار کرتے اور ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطورِ وسیلہ پیش کرتے ہیں۔

وسیلہ کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مقام، مرتبہ یا آپ ﷺ کی ذات کو بطورِ وسیلہ پیش کیا جائے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ یا اللہ! میں تیرے نبی اور ان کے حق اور جاہ کے وسیلہ سے یا جاہِ انبیاء وصالحین کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں۔ تو ایسا وسیلہ بدعت ہے اور شرک کے اسباب میں سے ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یا آپؐ کے علاوہ کسی دوسرے کا ایسا وسیلہ اختیار کرنا جائز نہیں۔ کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے مشروع نہیں فرمایا۔

عبادات کا طریقہ مقرر ہے، عبادت صرف وہی جائز ہے جس کی تعیین اور نشان دہی شریعت مطہرہ کرے اور اس کی اجازت دے۔

آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جو نابینا صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا

ہے کہ انھوں نے اپنی بینائی کی بحالی کے لیے آپ ﷺ کی ذات، جاہ یا آپ کے حق کو وسیلہ نہیں بنایا تھا بلکہ انھوں نے آ کر آپ سے دعا کی درخواست کی تھی کہ آپ میرے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں، اللہ کریم اس کی بینائی لوٹا دے۔ [مسند احمد: ٨/ ١٣٨۔ الترمذی فی الدعوات: ٣٥٧٨۔ عمل الیوم واللیلة للنسائی، ص: ٢٠٤۔ سنن ابن ماجه فی اقامة الصلوة: ١٣٨٥]

علمائے اہل سنت نے اس حدیث کی شرح میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ خصوصاً ان کی کتاب ''القاعدة الجلیلہ فی التوسل والوسیلہ'' انتہائی مفید ہونے کی بنا پر پڑھنے کے لائق ہے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی زندہ آدمی سے دعا کرانا جائز ہے۔ مثلاً انسان اپنے بھائی، والد یا کسی بھی صالح شخص سے درخواست کرسکتا ہے کہ آپ ﷺ میرے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے میری اس بیماری سے شفا عطا فرمائے، یا میری بینائی لوٹا دے، یا مجھے صالح اولاد عطا فرمائے وغیرہ۔ واللہ ولی التوفیق

[مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعه: ٥/ ٣٢٢، ٣٢٣ للشیخ ابن باز رحمہ اللہ]

درگاہوں پر جانور ذبح کرنا اور وہاں مدفون لوگوں کے وسیلہ سے دعائیں کرنا:

سوال: اللہ تعالیٰ کے قرب کی خاطر صالحین کی قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا اور یوں دعا کرنا کہ یا اللہ! اس بزرگ کے طفیل اور اس کے صدقے ہمیں شفاء عطا فرما، یا فلاں پریشانی دور فرما۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: کتاب وسنت کے دلائل اور نصوص سے یہ معلوم ہے کہ جانور ذبح کرکے اولیاء، جنات یا بتوں وغیرہ کسی بھی غیر اللہ کا تقرب چاہنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ نیز یہ جاہلیت اور مشرکین کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ [الانعام: ٦/١٦٢،١٦٣]

''کہہ دو کہ میری نماز، قربانی، جینا اور مرنا سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی بات کا حکم ہے اور میں اس کا سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔''

اس آیت میں لفظ ''نسك'' وارد ہوا ہے۔ اس کے معنیٰ ''ذبح کرنا'' ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا اسی طرح شرک ہے جیسے غیر اللہ کے لیے نماز پڑھنا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ﴾

''بے شک ہم نے تمھیں ''کوثر'' عطا کیا ہے۔ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔'' [الکوثر: ١٠٨/ ٢،١]

اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں جب کہ مشرکین غیر اللہ کو سجدے کرتے اور ان کے لیے ذبح کرتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ﴾

''اور تمہارے ربّ کا فیصلہ ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت بجا لاؤ'' [الاسرآء: ١٧/ ٢٣]

نیز اس کا فرمان ہے:

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ ﴾ [البینة: ٩٨/ ٤]

''اور لوگوں کو یہی حکم ہے کہ وہ یکسو ہو کر صرف اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی عبادت بجالائیں۔''

بہت سی آیات اس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ چوں کہ ''ذبح'' بھی ایک عبادت ہے، لہٰذا یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا جائز ہے۔

صحیح مسلم میں امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص غیر اللہ کے لیے ذبح کرے،

اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔''

[صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، حدیث: ۱۹۷۸]

جہاں تک اولیاء کے طفیل اور صدقے سے یا نبی ﷺ کے طفیل اور صدقے سے دعا کرنے کا تعلق ہے تو یہ اگرچہ شرک نہیں تاہم اہلِ علم اسے بدعت اور شرک کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ دعا ایک عبادت اور مقررہ کیفیت ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کے صدقہ یا وسیلہ سے دعا کرنا یا اس کی مشروعیت نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔ لہٰذا کسی مسلمان کو روا نہیں کہ وہ غیر مشروع وسیلہ ایجاد کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾ [الشوریٰ: ۲۱/۴۲]

''کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کے ایسے احکام مشروع کیے جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔''

نیز رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

[صحیح بخاری، کتاب الصلح، حدیث: ۲۶۹۷۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، حدیث: ۱۷۱۸]

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس سے پہلے نہ تھی تو وہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔''

صحیح مسلم کی ایک روایت، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی تعلیقاً روایت کیا ہے، اس میں ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) [صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، حدیث: ۱۸۔ ۱۷۱۸۔ صحیح بخاری، البیوع، باب النجش وکتاب الاعتصام، باب اذا اجتهد العامل ......]

''جس نے ہمارے عمل کے برعکس کوئی عمل کیا تو اس کا وہ عمل مردود ہے۔'' یعنی غیر مقبول ہے۔

لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ صرف اسی عمل کا التزام کریں جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے اور ان پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ لوگوں کی ایجاد کردہ بدعات سے بچ کر رہیں۔

وسیلے کی جائز صورتیں: اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی اور اس کی صفات، عقیدۂ توحید اور اعمالِ صالحہ مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان اور ان کی محبت وغیرہ ان تمام باتوں کو وسیلہ بنانا اور ان کو بطور وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔ اس کے جواز کے بہت سے دلائل ہیں۔ مثلاً

① ...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾

''اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، تم اسے انھی ناموں سے پکارا کرو۔'' [الاعراف: ۱۸۰/۷]

② ...... نیز رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سنا، وہ کہہ رہا تھا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنِّيْ أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔

''یا اللہ! میں اس گواہی کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا یکتا، بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی اس کا ہم سر نہیں۔''

اس شخص کی دعا سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے اللہ تعالیٰ کے اس نام کے وسیلے سے دعا کی ہے کہ اس نام کے وسیلے سے دعا کی جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور اسے اس نام سے پکارا جائے تو قبول کرتا ہے۔'' [سنن ابی داؤد، الصلاة، حدیث: ۱۴۹۳۔ جامع ترمذی، الدعوات، حدیث: ۳۴۷۵۔ سنن النسائی الکبریٰ، حدیث: ۷۶۶۶۔ سنن ابن ماجه، الدعا، حدیث: ۳۷۵۷۔ صحیح ابن حبان (۸۹۱، احسان) ابن حبان نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔]

نیکی کو بطورِ وسیلہ پیش کرنے کی ایک دلیل ان غار والوں کا قصہ ہے جنھوں نے اپنے اپنے اعمالِ صالحہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور بطور وسیلہ

پیش کیا تھا۔ ان میں سے ایک نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا، دوسرا زنا کا موقع ملنے کے باوجود زنا سے باز رہا اور تیسرے نے مزدور کی مزدوری کو بڑھایا اس میں اضافہ کیا اور بالآخر وہ تمام اصل مالک کو ادا کردی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا، ان پر سے پریشانی زائل کردی اور غار کے منہ پر آیا ہوا وزنی پتھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہٹا دیا۔

[مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ: ۳۲۴/۵۔۳۲۶ از شیخ ابن باز رحمہ اللہ]

آنحضرت ﷺ کی مسجد میں تدفین:

سوال: قبر پرست لوگ کہتے ہیں کہ ''چوں کہ آنحضرت ﷺ کو مسجد میں دفن کیا گیا تھا۔ لہٰذا مسجد میں دفن کرنا اور قبر کے اوپر مسجد بنانا جائز ہے؟'' ان کے استدلال کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: اس کے کئی جواب ہیں:

① ...... یاد رہے کہ مسجد نبوی آنحضرت ﷺ کی قبر پر نہیں بنائی گئی بلکہ وہ تو آنحضرت ﷺ کی حیاتِ اقدس میں ہی تعمیر ہو چکی تھی جب کہ آپ ﷺ کی قبر کا نام ونشان تک نہ تھا۔

② ...... نیز یہ کہ آپ ﷺ کو مسجد کے اندر دفن نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ کو تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس سے بزرگوں کو مسجد میں دفن کرنے کا استدلال بے محل ہے۔

③ ...... نیز یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ کے گھروں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سمیت مسجد میں شامل کرنے کا فیصلہ تقریباً ۹۴ھ میں اس وقت ہوا جب کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ گویا اس فیصلے پر صحابہ کا اجماع بھی نہیں نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی اجازت دی بلکہ اس وقت کے کبار اہل علم مثلاً سعید بن المسیب رحمہ اللہ وغیرہ نے تو اس کی مخالفت کی تھی۔

④ ...... نیز واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مسجد میں نہیں ہے حتی کہ اب جب کہ حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا مسجد میں شامل ہو چکا ہے اس کے باوجود آپ ﷺ کی قبر مسجد میں نہیں بلکہ وہ ایک الگ حجرے میں ہے۔ اس حصہ پر مسجد نہیں ہے۔ بلکہ قبر والی جگہ کو تین دیواریں کر کے الگ اور محفوظ کر دیا گیا ہے اور یہ دیواریں تکونی شکل میں اس انداز سے بنائی گئی ہیں تکون کا کونہ شمالی جانب میں ہے۔ اس طرح قبلہ کی طرف رخ کرتے وقت نمازی کا رخ قبر کی طرف نہیں ہوتا۔ لہٰذا قبوریین کا اس سے استدلال کرنا غلط ہے۔

[مجموع فتاویٰ ورسائل الشیخ ابن عثیمین: ۲/۲۳۲، ۲۳۳]

قضاء وقدر پر ایمان کے ثمرات:

سوال: قضاء وقدر پر ایمان، مسلمان کے ایمان میں اضافے کا سبب کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: چوں کہ مومن کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قدرت ہر ایک پر غالب ہے، اور وہ جب کسی کام کا ارادہ فرمائے تو اس کے آگے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جب ان چیزوں پر اس کا ایمان ہو تو وہ ان اسباب کو اختیار کرے گا جو اسے اس کے مقصود تک پہنچا سکیں۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بے شمار مواقع پر تعداد اور اسلحہ کی قلت کے باوجود مسلمان فتح ونصرت سے ہم کنار ہوئے۔ اس لیے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے وعدے اور قضاء وقدر پر پورا ایمان تھا اور انھیں کامل یقین تھا کہ تمام امور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قضاء وقدر پر ایمان رکھنا مسلمان کے تمام دینی ودنیوی معاملات میں کامیابی کا سبب ہے۔ [فتاویٰ الشیخ ابن عثیمین، ترتیب: اشرف عبدالمقصود: ۱/۵٤]

تقدیر پر راضی ہونا:

سوال: تقدیر پر راضی ہونے کا کیا مطلب اور اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: تقدیر پر رضامندی کا اظہار اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے تمام اعمال اور فیصلوں پر مکمل طور پر راضی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فعل پر راضی رہنا واجب ہے اور کسی بھی صورت میں اس پر اظہارِ ناراضی جائز نہیں۔ البتہ اس کے فیصلے تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے بعض پر راضی ہونا واجب، بعض پر راضی ہونا حرام اور بعض پر راضی ہونا مستحب ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا گناہ پر راضی ہونا اور اسے پسند کرنا حرام ہے، یہ اگر چہ اللہ کے حکم سے صادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اگر چہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے باوجود گناہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ہیں اور اسے پسند نہیں۔ ہمیں بھی ان پر راضی نہیں ہونا چاہیے۔ خود بھی ان سے بچ کر رہنا چاہیے اور دوسروں کو بھی بچانا چاہیے۔ اسی طرح جو کام شرعاً واجب ہیں ان پر راضی رہنا واجب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا اور انھیں مشروع قرار دیا ہے۔

تقدیر کی تیسری قسم مصائب ہیں۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ان مصائب پر راضی رہنا مستحب ہے واجب نہیں۔ البتہ مصائب پر صبر کرنا واجب ہے۔ گویا صبر اور رضا میں فرق ہے۔ صبر کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کام کو پسند نہیں کر رہا ہوتا مگر اس کے باوجود وہ خلافِ شرع یا صبر کے منافی کوئی حرکت نہیں کرتا۔

اور جو شخص راضی ہو وہ اس کام کو ناپسند نہیں کرتا۔ اس کام کا ہونا یا نہ ہونا اس کی نظر میں دونوں برابر ہوتے ہیں، صبر اور رضا میں یہی فرق ہے۔ اسی لیے جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ مصائب پر صبر کرنا واجب اور راضی ہونا مستحب ہے۔ [فتاویٰ الشیخ ابن عثیمین، ترتیب: اشرف عبدالمقصود: ۱/۶۰،۶۱]

زمانے کو گالی دینا:

سوال: زمانے کو گالی دینا کیسا ہے؟

جواب: زمانے کو برا بھلا کہنا یا گالی دینا تین طرح سے ہوتا ہے:

① ...... یہ کہ اس سے زمانے کو برا بھلا کہنا نہیں بلکہ محض خبر دینا مراد ہو۔ مثلاً یوں کہنا کہ آج تو گرمی نے یا سردی نے مار ڈالا وغیرہ۔ ایسا کہنا جائز ہے، کیوں کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔

اس قسم کے الفاظ محض خبر دینے کے لیے کہے جاتے ہیں، لہٰذا یہ جائز ہے۔

② ...... بسا اوقات یہ سمجھ کر زمانے کو گالی دی جاتی اور برا بھلا کہا جاتا ہے کہ حقیقی فاعل اور مدبر زمانہ ہی ہے اور یہی خیر وشر کا موجب ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا شرکِ اکبر ہے۔ کیوں کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو خالق قرار دیتا اور واقعات کا انتساب اسی کی طرف کرتا ہے۔

③ ...... زمانے کو برا کہنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ حقیقی فاعل اور مؤثر تو اللہ ہی کو سمجھنا مگر چوں کہ زمانے میں یہ تمام امور واقع ہوتے ہیں اسے لیے انھیں برا کہنا چوں کہ صبر کے منافی ہے اس لیے یہ کفر تو نہیں البتہ حرام ہے۔ ایسے شخص نے براہِ راست اللہ تعالیٰ کو برا بھلا نہیں کہا۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو براہِ راست برا کہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

[مجموع فتاویٰ ورسائل الشیخ ابن عثیمین: ۱/۱۹۷،۱۹۸]

مصیبت پر اظہارِ ناراضی وناپسندیدگی:

سوال: اگر کسی شخص کو کوئی مصیبت یا پریشانی لاحق ہو اور وہ اس پر ناراضی کا اظہار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: مصیبت میں لوگوں کے چار درجات ہیں۔

پہلا درجہ: مصیبت پر ناراضی کا اظہار کرنا، اس کی کئی اقسام ہیں:

قسم اوّل: یہ ہے کہ اس مصیبت پر دل سے ناراض ہونا اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر از حد غم وغصے اور خفگی کا اظہار کرنا۔ یہ حرام ہے بلکہ بسا اوقات یہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ٰ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ٰ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ﴾ [الحج: ۲۲/۱۱]

''اور بعض کنارے پر (کھڑے) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اگر انھیں بھلائی ملے تو مطمئن ہوتے ہیں اور اگر ان پر کوئی مصیبت یا پریشانی آئے تو منہ کے بل واپس لوٹ جاتے ہیں، یہ لوگ دنیا اور آخرت میں خسارہ پاتے ہیں۔''

قسم دوم: مصیبت آنے پر زبان سے ناراضی کا اظہار کرنا۔ مثلاً

ہلاکت وتباہی کی دعا کرنے لگنا، یہ بھی حرام ہے۔

قسم سوم: یہ ہے کہ مصیبت کے وقت چہرے پر دو ہتڑ مارنا، گریبان پھاڑنا، بال نوچنا، وغیرہ۔ یہ سب کام بھی حرام اور صبر کے منافی ہیں۔

دوسرا درجہ: مصیبت پر صبر کرنا ہے، جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے:

والصبر مثل اسمه مر مذاقته
لكن عواقبه أحلى من العسل

''صبر کڑوی چیز کو کہتے ہیں اور صبر اپنے نام کی مانند انتہائی کڑوا (مشکل) ہے۔ مگر اس کا انجام اور نتائج شہد سے زیادہ شیریں ہوتے ہیں۔''

انسان کسی کام کو اپنے لیے گراں تصور کرے مگر اس کے باوجود اسے برداشت کرے۔ وہ مصیبت کے آنے کو پسند نہیں کرتا تاہم اس کا ایمان اس مصیبت پر ناراضی کے اظہار سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ مصیبت کا وقوع اور عدم وقوع اس کی نظر میں برابر نہ ہو۔ مصیبت درپیش آنے پر صبر کرنا واجب ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم فرمایا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

﴿ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

[الانفال: ۸/۴۶]

''اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

تیسرا مرتبہ: مصیبت پر راضی رہنا ہے کہ مصیبت کا وجود اور عدم وجود اس کے لیے بایں طور دونوں برابر ہوں کہ مصیبت کا آنا اسے گراں نہ گزرے اور نہ ہی تکلف کر کے بہت زیادہ بوجھ برداشت کرے۔ اہل علم کے راجح قول کے مطابق ایسا کرنا محض مستحب ہے، واجب نہیں۔ دوسرے اور تیسرے مرتبہ میں واضح فرق ہے کہ تیسرے مرتبہ میں رضا کے لحاظ سے انسان کی نظر میں مصیبت کا وقوع اور عدم وقوع دونوں برابر ہیں۔ جب کہ دوسرے مرتبہ میں مصیبت کا وقوع تو انسان کے لیے گراں تھا مگر اس نے پھر بھی صبر کیا۔

چوتھا مرتبہ: مصیبت آنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے کہ مصیبت کے آنے پر انسان اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے اور وہ یہ یقین رکھے کہ یہ مصیبت اور پریشانی اس کے گناہوں کے کفارے اور نیکیوں میں اضافے کا سبب ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 مَا مِنْ مُّصِيبَةٍ تُصِيبُ الْمُسْلِمَ اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ حَتّٰى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا 》 [صحیح بخاری، کتاب المرضٰی، حدیث نمبر: ۵٦۴۰۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصله، حدیث نمبر: ۲۵۷۲ بحواله مجموع فتاویٰ ورسائل الشیخ ابن عثیمین: ۲/ ۱۰۹، ۱۱۱]

''انسان کو جو بھی مصیبت (دکھ، پریشانی) لاحق ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے کانٹا بھی چبھے (تو وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔)''

❀❀............❀............❀❀

مسائل قربانی

حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ

یہ مضمون ہمیں حافظ عبدالمنان نور پوری (حفظہ اللہ) کی طرف سے باقاعدہ طور پر موصول نہیں ہوا، اور نہ یہ مضمون حافظ صاحب موصوف نے خود تحریر فرمایا ہے۔ بلکہ یہ اُن کا ایک خطاب ہے جس کے اخیر میں اُن سے لوگوں نے سوالات بھی کیے اور حافظ صاحب نے اُن کے جوابات دیے۔ اس خطاب کو کیسٹ سے اُن کے شاگرد (غالباً) محمد طیب محمدی صاحب (آف ڈسکہ) نے اتارا، ترتیب دیا اور پھر حافظ صاحب کی نظرثانی کروانے کے بعد شائع کیا۔ ہم اسے افادۂ عام کی غرض سے معمولی حک وترمیم کے بعد حافظ صاحب اور محمدی صاحب کے شکریے کے ساتھ شائع کررہے ہیں۔ [ع۔و]

قربانی کے جانوروں کے عیوب کے متعلق گزارشات:

چھ نقص وعیب ہیں جو قربانی کے جانور میں ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ ، وَاَنْ لَا نُضَحِّيْ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ۔ [سنن الترمذی، رقم: ١٤٩٨]

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیں (کہ کہیں اس کی آنکھ اور کان میں کوئی نقص نہ ہو۔) اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان پچھلی جانب سے کترا ہو اور نہ (ایسے جانور کی قربانی کریں) جس کا کان اگلی جانب سے کترا ہو اور (ایسے جانور کی قربانی بھی نہ کریں) جس کا کان لمبائی میں کٹا ہوا ہو، اور جس کے کان میں سوراخ ہو۔''

کان کٹے ہونے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی کہ کتنا کٹا ہوا ہو، عام ہی فرمایا ہے، یعنی جس قدر بھی کٹا ہوا ہو قربانی میں منع ہے۔

دوسری روایت ہے علی بن ابی طالب فرماتے ہیں:

نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ۔

''کان کٹے جانور اور سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی کرنے سے منع فرمادیا۔''

سینگ کتنا ٹوٹا ہوا ہو، کان کتنا کٹا ہوا ہو اس کی قید کتاب وسنت میں نہیں آئی۔ لفظ ''اَعْضَبُ الْقَرْنِ'' اور ''اَعْضَبُ الْاُذُنِ'' آیا ہے۔ لغت والوں نے اعضب اور عضباء کا معنی کان کٹا اور سینگ ٹوٹا ہوا ہی کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے ٹوٹے ہوئے کی مقدار بیان کی ہے کہ آدھا کٹا ہوا ہو۔ کوئی کہتا ہے دو تہائی ٹوٹا ہوا ہو پھر نہیں ہوتی۔ البتہ لغت کا تقاضا یہی ہے کہ کان تھوڑا کٹا ہوا ہو یا زیادہ کٹا ہوا ہو، سینگ زیادہ ٹوٹا ہوا ہو۔ تھوڑا ٹوٹا ہوا ہو اس کی قربانی نہ کرے۔

بسا اوقات سینگ کے اوپر سے خول اتر جاتا ہے، نیچے سینگ بالکل صحیح سلامت ہوتا ہے۔ سینگ یا گلی اگر نیچے سے صحیح ہو تو اس پر اعضب اور عضباء کا لفظ نہیں بولا جاتا وہ سینگ ٹوٹے ہوئے میں شامل نہیں ہوتا، اور اگر سینگ کی گلی یا کان کٹا ہوا ہے تو پھر وہ اعضب اور عضباء میں شامل ہوتا ہے اس کی قربانی نہیں ہوتی۔

سینگ کسی بھی وجہ سے ٹوٹ گیا ہو، دیوار پر ٹکر مارنے سے یا اپنی ہی سنگلی یا زنجیر میں پاؤں کے پھنسنے سے یا مالک کے مارنے سے، اس کی قربانی نہیں ہوتی۔

اسی طرح کان بھی اگر مالک نے خود کاٹا ہو یا اپنے آپ ہی کٹ جائے اس کی قربانی سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا:

مَا ذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا ؟

’’کون کون سے جانور ہیں جن کی قربانی کرنے سے بچنا چاہیے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْعَوْرَاءُ الْبَیِّنُ عَوَرُھَا﴾

’’کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو۔‘‘

کانا پن واضح نظر آ رہا ہو تو اس کی قربانی نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ جب کانے کی قربانی نہیں ہوتی تو نابینے کی بطریق اولیٰ نہیں ہوتی۔ کیوں کہ کانے کی صرف ایک آنکھ خراب ہے، اور نابینے کی دونوں آنکھیں ختم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مزید فرماتے ہیں:

﴿وَالْعَرْجَاءُ الْبَیِّنُ عَرْجُھَا﴾

’’لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن واضح ہے۔‘‘

جب لنگڑے کی قربانی نہیں ہوتی تو جو ہے ہی (لوہلا) یعنی چلنے سے قطعاً عاجز وقاصر اس کی قربانی بطریق اولیٰ نہ ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں:

﴿وَالْمَرِیْضَةُ الْبَیِّنُ مَرَضُھَا﴾

’’مریض بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہے۔‘‘

ہر ایک کو نظر آ رہا ہے کہ یہ بیمار ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس سے بھی بچنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مزید فرمایا:

﴿وَالْعَجْفَاءُ الَّتِیْ لَا تُنْقِیْ﴾

’’لاغر دبلا پتلا جانور جس کے اندر روغن تک باقی نہ بچا ہو۔‘‘

یعنی اس کا مغز ہی ختم ہوگیا ہے۔ ایسے لاغر دبلے پتلے جانور کی بھی قربانی کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔ یہ وہ عیوب ہیں کہ اگر جانور میں موجود ہوں تو اس کی قربانی نہیں ہوتی۔

یہ عیب یا ان میں سے کوئی عیب قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے ہو یا خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب پیدا ہوگیا ہے دونوں شکلوں میں اس کی قربانی نہیں کرنی چاہیے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں کہ عیب والے جانور قربانی نہ کرو۔

چناں چہ جو شخص عیب والے جانور کی قربانی کر رہا ہے یا کرے گا (خواہ عیب خریدنے کے بعد ہی پیدا ہوا ہے) اس کا عمل رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق تو نہ ہوا۔ حکم پر عمل تو تب ہی ہوگا جب وہ عیب والے جانور کی قربانی نہ دے گا۔

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر قربانی والے جانور کو ذبح کرنے کے لیے لٹاتے وقت وہ لنگڑا ہوگیا ہے (بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ لٹاتے وقت ٹانگ پر چوٹ آ جاتی ہے) تو اس کی بھی قربانی نہ دے۔ کیوں کہ وہ لنگڑا ہوگیا ہے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں لنگڑے کی قربانی نہیں کرنی اس سے بچو۔

ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خریدنے کے بعد لنگڑا ہو جائے تو اس کی قربانی ہو جاتی ہے۔ روایت یہ ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ایک دنبہ تھا۔ بھیڑیا آیا اس نے اس کی چکی کاٹ دی، رسول اللہ ﷺ سے اس کی بات پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اس کی قربانی کر لو یہ نقص عیب اس میں خریدنے کے بعد پیدا ہوا‘‘ یا ’’خریدنے کے بعد بھیڑیا اس کی چکی لے گیا ہے۔‘‘ اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا جاتا ہے۔

پہلے نمبر پر تو یہ روایت ہی ضعیف ہے، اس میں ایک راوی ہے ’’جابر بن یزید جعفی‘‘ وہ انتہائی کمزور ہے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے پاس سے روایتیں بنا بنا کر رسول اللہ ﷺ کے ذمے لگاتا تھا۔ اس کے کذب کا عالم دیکھو کہ پھر اعلان کرتا تھا کہ میں نے اتنی روایتیں بنا کر رسول اللہ ﷺ کے ذمے لگا دیں ہیں۔ پھر یہ بدعقیدہ بھی تھا۔ عام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم قرب قیامت نزول فرمائیں گے اور یہ جعفی عقیدہ رکھتا تھا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی قرب قیامت نزول فرمائیں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا لَقِیْتُ فِیْمَنْ لَقِیْتُ اَفْضَلَ مِنْ عَطَاءٍ۔

’’جتنے علماء اور فضلاء کو میں ملا ہوں عطاء سے بڑھ کر کسی فضیلت والے شخص کو میں نہیں ملا۔‘‘

یعنی جن جن کو میں ملا ہوں ان میں سے عطاء رحمہ اللہ سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں، اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں:

وَمَا لَقِیْتُ فِیْمَنْ لَقِیْتُ اَکْذَبَ مِنْ جَابِرِ الْجُعْفِیِّ۔

’’جن جن شخصوں کو میں ملا ہوں ان میں سب سے زیادہ جھوٹا

جابر جعفی تھا۔"

یعنی میری ملاقات والے جتنے جھوٹے ہیں یہ ان سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ اب اس کی روایت کا اعتبار کس طرح ہوسکتا ہے؟

اس کی سند میں ایک اور بھی نقص ہے، لیکن اس کے مقابلے میں اس کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ نقص یہ ہے کہ حجاج بن ارطاۃ راوی اس میں مدلس ہے، تدلیس سے بیان کرتا ہے۔ لیکن جابر جعفی کذاب راوی ہے لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے اس کو بیان کرنے کی کوئی اتنی ضرورت بھی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن جن عیوب سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں کہ کان کٹا، سینگ ٹوٹا، بیمار، لنگڑا، کانا، لاغر۔ جس کے یہ عیوب یا ان میں سے کوئی بھی عیب واضح ہو ان سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ دم کٹے، چکی کٹے ہونے سے تو رسول اللہ ﷺ نے منع ہی نہیں فرمایا۔ بات تو تب بنتی یا مسئلہ تو تب بنتا جب رسول اللہ ﷺ نے اس عیب سے بھی منع فرمایا ہوتا کہ دم کٹے کی قربانی نہ کرو۔

جس عیب سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا تھا، وہ ممنوع عیب خریدنے کے بعد پیدا ہوتا، پھر رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ "اس کی قربانی کرلو" مسئلہ تو تب بنتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے دم کٹے یا چکی کٹے سے تو منع کیا ہی نہیں۔

زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہی ثابت ہوگا (اگر ہو تو) کہ دم کٹے چکی کٹے جانور کی قربانی کرلو۔ کیوں کہ یہ ان عیوب میں شامل نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے بلکہ اس حدیث کی رو سے دم کٹے، چکی کٹے جانور کی قربانی درست ہے۔

قربانی کے وقت کی ابتداء:

قربانی کا وقت عید کی نماز پڑھنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور آدمی ذبح نہیں کرسکتا۔

جناب جندب اور براء رضی اللہ عنہما کی احادیث آپ نے پہلے سماعت فرمائی ہیں کہ جو عید کی نماز سے پہلے قربانی کرے گا وہ اس کی جگہ پر ایک اور کرے۔ براء بن عازب کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی آتے ہیں کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کردیا ہے ((فَاِنَّمَا هِیَ شَاۃُ لَحْمٍ)) "وہ صرف گوشت کا بکرا ہے وہ جانور گوشت کا ہے" ((وَلَیْسَ مِنَ النُّسُكِ فِیْ شَیْءٍ)) "قربانی نہیں"۔

عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرے گا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق قربانی نہیں ہوگی، اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ ((فَلْیَذْبَحْ مَکَانَهَا اُخْریٰ))

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان شہر کے لوگوں کے لیے بھی ہے اور دیہات کے لوگوں کے لیے بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ شہر والے عید کی نماز سے پہلے قربانی کریں گے تو نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے شہر کی قید نہیں لگائی۔ آپ ﷺ شہر والوں کے بھی پیغمبر ہیں اور دیہات گاؤں والوں کے بھی پیغمبر ہیں۔ مردوں کے بھی پیغمبر ہیں عورتوں کے بھی پیغمبر ہیں جنوں کے بھی پیغمبر ہیں انسانوں کے بھی پیغمبر ہیں۔ سب پر آپ کا حکم لگتا ہے۔

لہٰذا جو یہ خیال بعض لوگوں کے ہاں چلتا ہے کہ دیہات یا گاؤں والے فجر کی نماز کے بعد بھی قربانی کرلیں تو قربانی ہوجائے گی، یہ خیال درست نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے۔ ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ دیہاتوں میں تشریق نہیں، اضحیٰ بھی نہیں، جمعہ بھی نہیں۔

جب دیہاتوں میں اضحیٰ نہیں قربانی نہیں تو وہ جانور پہلے کرے یا بعد میں کرے اس واسطے وہاں قربانی پہلے ہوجائے گی۔

جواب:

اوّل تو یہ روایت ثابت ہی نہیں، نبی اکرم ﷺ تک یہ صحیح سند سے پہنچتی ہی نہیں بلکہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہونا بھی ثابت نہیں اور رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت نہیں۔ جب علی رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت نہیں تو اس سے مسئلہ کیا ثابت ہوگا؟ ویسے علی رضی اللہ عنہ کا قول ثابت ہو بھی جائے تو یہ شریعت میں دلیل بنتا ہی نہیں۔

﴿ اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت دلیل ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول اگر دلیل بنتا ہوتا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف تو نہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے قول سے کوئی اختلاف کرتا ہے؟ نہیں، بھول کر خطاء ہو جائے تو وہ مسئلہ الگ ہے جان بوجھ کر تو اختلاف کوئی نہیں کرتا۔

چند منٹ کے لیے اس روایت کو تسلیم کر لیں کہ تشریق دیہاتوں میں نہیں، جمعہ دیہاتوں میں نہیں، اضحیٰ قربانی دیہاتوں میں نہیں تو پھر فجر کی نماز پڑھ کر اگر ذبح کرے گا تو قربانی بھی کوئی نہ ہوئی۔ بلکہ وہ تو اب عید کی نماز پڑھنے کے بعد بھی ذبح کرے تو اس قول کے مطابق قربانی پھر بھی نہ ہوئی۔ فجر کی نماز پڑھ کر کرے یہ تو بہت دور کی بات ہے جب کہ اس پیش کردہ روایت میں رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ تشریق اضحیٰ بڑی عید یا قربانی دیہاتوں میں ہے ہی نہیں۔ وہ تو گوشت ہی ہے جس وقت بھی وہ کرے۔قربانی تو پھر بھی نہ ہوئی اس لیے یہ بات غلط ہے صحیح نہیں۔ دیہات میں قربانی بھی ہے جمعہ بھی ہے عید بھی ہے وہ بھی مسلمان ہیں۔کتاب وسنت ان کے لیے بھی ہے وہ بھی قربانی کریں۔صرف یہ ہے کہ جو وقت رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہے صرف اس وقت میں ذبح کریں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''عید کی نماز کے بعد قربانی کرلے۔'' تو یہ وقت شہر والوں کے لیے بھی ہے اور دیہات والوں کے لیے بھی۔

قربانی کے وقت کی انتہاء:

دارقطنی میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ کُلُّھَا ذَبْحٌ ۔

''تشریق کے تمام دن ذبح کے دن ہیں۔''

گیارہ بارہ تیرہ تاریخ یعنی منیٰ کے دن، ان کو ایام تشریق کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں یہ ذبح کے دن ہیں۔ پتا چلا کہ گیارہ بارہ تیرہ تاریخوں کو بھی آدمی قربانی کرسکتا ہے البتہ پہلے دن دس تاریخ کو آدمی قربانی کرے تو اس کی فضیلت زیادہ ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ کو دوسرے دنوں کی نیکی ان دس دنوں کی نیکی سے زیادہ محبوب نہیں۔''

تو ان دس دنوں میں قربانی کا پہلا دن بھی آ جائے گا۔ دوسرے دنوں کا عمل صالح اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں کے عمل صالح سے زیادہ محبوب نہیں۔ دسویں دن کی قربانی ان دس دنوں میں آ جائے گی گیارہ بارہ تاریخ کی قربانی ان دس دنوں سے باہر ہے۔ اس عام حدیث کو آدمی سامنے رکھ کر غور کرے تو پتا چل جائے گا کہ پہلے دن کی قربانی بعد والے دنوں کی قربانی سے زیادہ فضیلت والی ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ کا عمل بھی پہلے ہی دن کا تھا۔ دس تاریخ کو ہی رسول اللہ ﷺ اپنی قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے۔کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں یہ آیا ہو کہ نبی اکرم ﷺ گیارہ بارہ تیرہ تاریخوں کو بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان سے گیارہ بارہ تیرہ تاریخوں میں قربانی کی اجازت نکلتی ہے۔البتہ عمل آپ ﷺ کا پہلے ہی دن کا ہے۔

وَخَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔

''ساری سیرتوں میں سے بہترین سیرت اور بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہی ہے۔''

پہلے دن میں قربانی کرنے کا ثواب اور اجر زیادہ ہے۔ ویسے دوسرے تیسرے چوتھے دن بھی آدمی قربانی کرسکتا ہے اس کی اجازت ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکت کرنا:

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک بکری یا بکرا اور ایک چھترا یا چھتری قربانی میں ایک گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتا تھا۔ گائے اور اونٹ کی قربانی اگر ھدی ہے تو حج یا عمرہ کرنے والے سات سات تک شریک ہو سکتے ہیں۔اگر قربانی اضحیہ ہے گھروں میں کی جانے والی قربانی ہے تو گائے میں سات تک اور اونٹ میں دس تک شریک ہو سکتے ہیں۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔اضحیٰ (گھروں والی قربانی) کا وقت آ گیا تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس شریک ہوئے۔

بعض کا خیال ہے اونٹ میں دس شریک ہونے کا باعث سفر تھا۔ بعض کہتے ہیں باعث اونٹ کا دس بکریوں کے برابر ہونا تھا۔ مگر دونوں باتیں درست نہیں، ورنہ ھدی (حج یا عمرہ والی قربانی) میں بھی اونٹ میں دس کا شریک ہونا درست ہوتا۔ کیوں کہ دونوں باعث ادھر موجود ہیں اس لیے کہ اونٹ تو ہدی میں بھی اونٹ ہی ہے۔ لامحالہ دس بکریوں کے برابر ہے اور بہت سے حج اور عمرہ کرنے والے مسافر ہوتے ہیں پھر سفر والا باعث گائے میں بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم

قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا طریقہ:

قربانی کے گوشت کے عام طور پر لوگ تین حصے کر لیتے ہیں۔ ایک اپنے لیے، ایک خویش واقارب کے لیے اور ایک فقراء مساکین کے لیے، اگر کوئی آدمی اس طرح بھی کرے تو پھر بھی ٹھیک ہے۔ اگر نصف اپنے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے کر لے اور باقی نصف فقراء ومساکین کو دے دے پھر بھی ٹھیک ہے۔ سارے کا سارا جانور آدمی تقسیم تو کر سکتا ہے لیکن سارے کا سارا اپنے گھر نہیں رکھ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کا جانور ذبح کیا اور فرمایا کہ ''جس کا دل چاہتا ہے لے جائے۔'' وہ سارے کا سارا تقسیم کر دیا۔ لہٰذا سارے کا سارا تقسیم کر سکتا ہے لیکن سارے کا سارا گھر رکھنے کی اجازت نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴾

دوسری جگہ ہے:

﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

كُلُوْا مِنها وَتَصَدَّقُوْا ۔

مطلب یہ ہے کہ ان قربانیوں میں سے خود بھی کھاؤ، لوگوں کو کھلاؤ یعنی اُن میں سے صدقہ بھی کرو۔

قربانی کے گوشت میں سے صدقہ کرنا لازمی ہے اگر چہ وہ کم ہی کرے یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ صدقہ کتنا کرنا ہے؟ کتاب وسنت میں اس کی تحدید نہیں آئی۔ البتہ یہ خود ہی سوچے کہ کتنا اس نے صدقہ کرنا ہے جان ہی نہ چھڑائے کہ ایک بوٹی دے کر کہے جی میں نے صدقہ کر دیا ہے۔ یہ کیسا صدقہ ہے یہ تو مذاق ہوا۔ صدقہ ایسا کرے جس کو واقعی صدقہ کہا جاتا ہے۔ وکیلوں والی موشگافی نہ پکڑے۔

قربانی کی کھالوں کا مسئلہ:

نبی اکرم ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہا کہ یہ کھالیں غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دو۔ خود رسول اللہ ﷺ نے غرباء اور مساکین میں تقسیم کی ہیں۔ ویسے صدقہ کا آپ نے حکم بھی دیا ہے اس میں کھالیں بھی آتی ہیں۔ صدقہ کے جتنے مصارف (آٹھ) قرآن نے بیان کیے ہیں ان میں سے کسی کو بھی دے سکتے ہیں۔ دینی مدارس میں غریب فقیر طلباء ہوتے ہیں ان کو دے سکتے ہیں۔ کچھ ادارے بھی ایسے ہوتے ہیں جو غرباء اور مساکین کی امداد کرتے ہیں ان کو بھی دے سکتے ہیں۔

چند سوالات کے جوابات

سوال: جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا منع ہے۔ اگر عرفہ کا دن ہی جمعہ کو آجائے تو کیا پھر عرفہ کے دن کی حیثیت سے صرف اکیلا جمعہ کا روزہ رکھ سکتا ہے۔

جواب: یہ بات صحیح ہے کہ اکیلا جمعہ کا روزہ رکھنا منع ہے۔ صحیح بخاری میں ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا والا قصہ اس کی واضح دلیل ہے۔ ہاں ساتھ جمعرات کا رکھ لے یا ہفتے کا ساتھ رکھ لے تو یہ ٹھیک ہے۔

عرفے کا روزہ یعنی (۹ ذوالحج) کا روزہ جو جمعہ کے دن آجائے تو یہ عرفہ کے روزہ کی نیت کر کے رکھ رہا ہے جمعہ کا روزہ نہیں رکھ رہا۔ یہ ٹھیک ہے، رکھ سکتا ہے۔ وہ تو ویسے اتفاقاً عرفہ کا دن جمعہ کو آ گیا ہے۔ اگر عرفہ کا روزہ بدھ کو آجاتا تو پھر بھی اس نے رکھنا تھا عرفہ کے روزہ کی نیت کر کے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ ایک آدمی سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتا ہے اس کا معمول ہے تو کیا اگر سوموار اور جمعرات کو ایام تشریق آجائیں تو سوموار اور جمعرات کے روزے کی نیت کر کے روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں ایامِ تشریق میں یہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ کیوں کہ رسول

اللہ ﷺ نے ایامِ تشریق اور عید کے دن روزہ رکھنے سے منع فرما دیا ہے۔نو ذوالحجہ عرفہ کے دن کے روزے کی حیثیت اور ہے، سوموار اور جمعرات کے روزہ کی حیثیت اور ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے۔ پھر جمعہ کے روزے کی حیثیت اور ہے اور ایامِ تشریق اور عیدین کے روزے کی حیثیت اور، ہر آدمی کو چاہیے کہ ان باتوں پر خوب غور کرے۔

سوال: کیا فوت شدہ کی طرف سے قربانی ہوجاتی ہے؟

جواب: خاص حدیث تو کوئی نہیں کہ فوت شدہ کی طرف سے قربانی ہوجاتی ہے۔ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ حنش رحمہ اللہ کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ دو جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا دو جانور ذبح کیوں کرتے ہیں؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں ایک جانور آپ ﷺ کی طرف سے ذبح کروں۔

یہ حدیث پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی، باتفاق محدثین یہ حدیث کمزور ہے،ضعیف ہے۔

باقی ایک روایت صحیح مسلم کی پیش کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک جانور ذبح کیا تو کہا:

((اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ))

''اے اللہ! محمد ﷺ کی طرف سے، آلِ محمد ﷺ کی طرف سے اور امت محمد ﷺ کی طرف سے قبول فرما۔''

تو امت محمد ﷺ میں سارے آجاتے ہیں۔ اس وقت تمام امت تو زندہ نہیں تھی کچھ فوت بھی ہو چکے تھے، کچھ زندہ بھی تھے۔

اس حدیث سے دلیل نکالتے ہیں لیکن دلیل بنتی نہیں۔

اوّلاً: یہ کہ سب علمائے کرام رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ ایک جانور ایک آدمی کی طرف سے ہوتا ہے۔ کچھ محققین کہتے ہیں کہ ایک جانور ایک گھر کی طرف سے ہوجاتا ہے۔اس سے بڑھ کر کہ پوری امت کی طرف سے ایک جانور؟ یہ تو کسی عالم کا مسلک ہی نہیں۔اگر یہاں سے مسئلہ نکلتا تو متقدمین علماء میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک جانور ایک آدمی کی طرف سے یا ایک گھر کی طرف سے قربان ہوسکتا ہے تو وہ یہ بھی کہتے کہ ایک جانور ساری امت کی طرف سے بھی کرلو۔مگر یہ کسی نے نہیں کہا،اس لیے بات نکلتی نہیں۔

ثانیاً: رسول اللہ ﷺ یہ نہیں فرما رہے کہ یہ جانور جو میں کررہا ہوں یہ میری طرف سے میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے ہے۔ بلکہ آپ ﷺ تو دعا کرہے ہیں کہ اے اللہ! میری طرف سے بھی قبول کر میری آل کی طرف سے بھی قبول کر اور ساری امت کی طرف سے بھی قبول کر۔ یہ تو آپ ﷺ دعا کررہے ہیں جس طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ جو تیرے گھر گئے ہوئے ہیں حج عمرہ کرنے ان کا حج اور عمرہ قبول فرما۔تو کیا ہمارا حج ہو جائے گا؟ یہ تو دعا ہے، نبی ﷺ نے قربانی کے موقعے پر اپنے لیے دعا کی اور ساتھ دوسروں کے لیے بھی دعا کردی ہے کہ یا اللہ دوسروں کی بھی قبول فرما۔ یہ تو اس میں نہیں آیا کہ دوسروں کی طرف سے بھی میں قربانی کررہا ہوں۔ یہ تو دعا ہے:

تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ ۔

البتہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت مسند احمد وغیرہ میں آتی ہے،اس میں لفظ آتے ہیں۔ هٰذَا عَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ

''یہ جانور میری امت میں سے ان کی طرف سے ہے جنھوں نے قربانی نہیں کی۔''

مگر یہ لفظ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتے۔ پھر ''عمن لم یضح من امتی'' سے خاص فوت شدہ اکیلے مراد نہیں۔فوت شدہ اور زندہ ملے جلے مراد ہیں۔خاص منفرد اکیلی میت کی طرف سے قربانی کرنے کی کوئی صحیح مرفوع حدیث ابھی تک مجھے نہیں ملی۔ ہاں میت کی طرف سے صدقہ کرنا درست ہے۔ چناں چہ سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، صدقہ خواہ جانور کا ہے کرلے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم



ذبیح اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں

مولانا محمد عبیداللہ خاں عفیف (فیصل آباد)

یہ مسئلہ علمائے تفسیر کے ہاں مختلف فیہ چلا آ رہا ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام؟ مفسرین کرام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم سے اس سلسلہ میں جو روایات نقل فرمائی ہیں ان کے مطابق ایک گروہ کا یہ قول بیان کیا گیا ہے وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام تھے، اس گروہ میں حسب ذیل بزرگوں کے نام ملتے ہیں:

حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم حضرت قتادہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی، مسروق، زہری، عطاء، مقاتل، سدی، کعب احبار اور زید بن اسلم وغیرہم۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر رازی اور روح المعانی میں ان لوگوں کے اقوال دیکھے جاسکتے ہیں۔

ایک دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور اس جماعت میں حسب ذیل شخصیتوں کے نام ملتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم، حضرت عمر بن عبدالعزیز، عکرمہ، مجاہد، یوسف بن مہران، حسن بصری، محمد بن کعب قرظی، شعبی، سعید بن مسیّب، ضحاک، محمد بن علی بن حسین، ربیع بن انس، احمد بن حنبل، امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے اصحاب علم۔ مجاہد، عکرمہ اور شعبی اپنے ایک ایک قول کے مطابق دونوں گروہوں میں شامل ہیں۔

عمرو بن عبید کہتے ہیں: حسن بصری کو اس امر میں کوئی شک نہ تھا کہ ذبیح اللہ سیدنا اسماعیل ہی تھے۔

صحابہ وتابعین کے اس اختلاف کی بنا پر بعض مفسر قطعی طور پر اس طرف چلے گئے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق تھے۔ چناں چہ امام ابن جریر اور قاضی عیاض کا یہی خیال ہے اور بعض دوسرے حضرات پورے وثوق اور حزم کے ساتھ یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل تھے۔ امام ابن کثیر، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں اور راقم السطور کے نزدیک بھی یہی رائے حق ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل ہی تھے۔ کیوں کہ دلائل اور تاریخی تنقیحات کی روشنی میں یہی رائے حق اور مبنی برصواب دکھائی دیتی ہے۔ دلائل یہ ہیں:

<u>دلیل اوّل:</u> جب حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام قوم سے پوری طرح مایوس ہوجاتے ہیں اور والد آذر بھی سخت مخالف ہوجاتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام کی طرف قصد ہجرت فرماتے ہیں۔ سفر کی وحشت اور غربت کی تلخیوں سے محفوظ رہنے کے لیے دورانِ سفر ایک بیٹے کی دعا فرماتے ہیں جو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں خلعتِ پذیرائی سے آراستہ قرار پائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلوب فرزند عطا فرمایا اور پھر جب یہ فرزند دلبند چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسے اپنی راہ میں قربان کردینے کا اشارہ فرمایا اور یہ پورا مضمون قرآنِ مجید میں ایک ہی سیاق میں اکٹھا بیان ہوا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

﴿ وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ o فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾

''اور ابراہیم بولے میں اپنے ربّ کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔ اے ربّ مجھے (اولاد) عطا فرما جو سعادت مندوں میں سے ہو۔ تو ہم نے ان کو ایک نرم دل (جیدار) لڑکے کی خوش خبری دی۔ جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا، تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں، تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا کہ ابا جی! جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجیے، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے (یعنی ذبح ہونے کی تکلیف کو سہارنے والا پائیں گے۔)'' [الصّٰفّٰت: ۹۹۔ ۱۰۲]

ان آیات مقدسہ سے یہی حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ ذبح ہونے والے وہی صاحبزادے ہیں جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سفر کی وحشت اور تنہائی دور کرنے کے لیے دل بہلانے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا اور وہ حضرت اسماعیل ہی تھے، کیوں کہ دعا کے کلمات ﴿رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ صاف بتا رہے ہیں کہ دعا کے وقت آپ کے ہاں کوئی ایک لڑکا بھی نہ تھا۔ دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ میں کلمہ من تبعیض کا ہے اور تبعیض کا اقل (کم از کم) درجہ فرد واحد ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر دعا کے وقت ان کے ہاں کوئی لڑکا موجود مانا جائے تو ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے سے طلب حاصل لازم آتی ہے اور طلب حاصل محال ہے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ شرائع ثلاثہ (یہودیت، مسیحیت اور اسلام) میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے پورے چودہ برس بڑے تھے، جیسا کہ کتاب مقدس میں ہے۔

①...... ابراہام کی بیوی ساریٰ کے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی ☆ تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور ساریٰ نے ابراہام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے، سو تو میری لونڈی کے پاس جا۔ شاید اس سے میرا گھر آباد ہو اور ابراہام نے ساریٰ کی بات مانی اور ابراہام کو ملک کنعان میں رہتے ہوئے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساریٰ نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔
[کتابِ پیدائش، باب:۱۶، آیت:۱ تا ۳]

②...... جب ابراہام سے ہاجرہ کے ہاں اسماعیل پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا۔ [کتابِ پیدائش، باب:۱۶، آیت:۴]

③...... تب ابراہام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اور گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی خدا کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا، ابراہام ننانوے برس کا تھا جب اس کا ختنہ ہوا اور جب اسماعیل کا ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا۔ [کتابِ پیدائش، باب:۱۷، آیت:۲۳ تا ۲۵]

④...... جب اس کا بیٹا اسحٰق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا۔ [کتابِ پیدائش، باب:۲۱، آیت:۴، ۵]

کتابِ پیدائش کی ان تصریحات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ برس بڑے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اکلوتے اور پہلونٹے صاحبزادے قرار پاتے ہیں، جن کی سوختنی قربانی کا ذکر بائبل میں مصرح موجود ہے۔ [ملاحظہ ہو کتاب پیدائش]

اور جس روایت میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اکلوتا بیٹا کہا گیا ہے وہ محض یہود کی کارستانی اور تحریف کا شاخسانہ ہے۔ کیوں کہ ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ بڑے صاحبزادے اسماعیل ہی پہلونٹے اور اکلوتے ہیں۔

دلیل ثانی: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آخری مگر کڑے (اکلوتے اسماعیل کی سوختنی قربانی کے) امتحان میں کامیاب اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اَور فرزند گرامی قدر کی نوید سنائی۔

﴿وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۱۱۲]

''اور ہم نے اس کو اسحاق کی خوش خبری دی جو نبی ہوگا صالحین

☆...... حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں مصر کی شہزادی تھیں، یہود نے حسد کی بنا پر اس کو لونڈی لکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو رحمۃ للعالمین جلد اوّل

میں سے۔''

چناں چہ واقعہ کی یہ ترتیب صاف صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت اسحٰق کی بشارت اسماعیل کی قربانی کے وقوع کے بعد پیش آئی ہے۔ چناں چہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

" قال محمد بن اسحق قال: وسمعت محمد بن كعب القرظي وهو يقول: إن الذي أمر الله تعالى إبراهيم بذبحه من ابنيه إسمعيل وإنا لنجد ذالك في كتاب الله تعالى وذلك أن الله تعالى حين فرغ من قصة المذبوح من ابني إبراهيم قال تعالى ﴿وبشرنٰه باسحق نبيا من الصلحين﴾ "

[ابن كثير، ص:١٨، ج:٤۔ الصّٰفٰت: ١١٢]

''محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے جن صاحبزادے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، وہ حضرت اسماعیل ہی تھے اور اس کی تصریح قرآن میں بھی ملتی ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مذبوح کا قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت سنائی ہے، جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس واقعہ کے ہوچکنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔''

<u>دلیل ثالث:</u> قرآنِ مجید کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش مبارک کی بشارت سنائی ہے وہاں ان کے نبی ہونے کی بھی خوش خبری دی ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

''خوش خبری دی ہم نے اس کو اسحٰق کی جو نبی ہوگا صالحین میں سے۔'' [الصّٰفٰت: ١١٢]

بلکہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ساتھ پھر حضرت اسحٰق کے صاحب اولاد ہونے کا بھی مژدہ سنایا ہے۔

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ لا وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾

''پس ہم نے اس (سارہ) کو اسحٰق کی پیدائش اور پھر اسحٰق سے یعقوب پیدا ہونے کی خوش خبری دی۔'' [هود: ٧١]

اب ظاہر ہے کہ جس بیٹے کی پیدائش کی خبر دینے کے ساتھ یہ خبر بھی دی جاچکی ہو کہ وہ نبی ہوگا صالحین میں سے اور اس کے ہاں یعقوب (علیہ السلام) نامی نیک اور لائق لڑکا پیدا ہوگا، اگر اس کے متعلق ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب دکھایا جاتا کہ آپ اس کو ذبح کررہے ہیں تو حضرت ابراہیم اس سے کبھی یہ نہ سمجھ سکتے کہ اس بیٹے (اسحٰق علیہ السلام) کو ذبح کرنے کا اشارہ فرمایا جارہا ہے۔

چناں چہ محمد بن کعب قرظی حضرت اسماعیل کے تعین پر یوں استدلال کرتے ہیں:

" ﴿وبشرنٰه باسحق نبيا من الصلحين﴾ ويقول الله تعالى: ﴿فبشرنٰها باسحق ومن ورآء اسحق يعقوب﴾ يقول بابن وابن ابن فلم يكن ليا مره بذبح اسحق وله فيه من الموعد بما وعده وما الذى امر بذبحه الا اسمعيل ـ " [تفسير ابن كثير، ج:٤، ص:١٨]

''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں حضرت اسحٰق کے صاحب اولاد ہونے کی بشارت دی، پس حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق سے حضرت یعقوب جیسے لائق فرزند کی پیدائش کی بھی خوش خبری دی ہے۔ پس ذبیح حضرت اسماعیل ہی تھے۔''

یاد رہے کہ یہ وہ استدلال ہے جو محمد بن کعب قرظی نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے پیش کیا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے بہت پسند فرمایا اور کہا تھا کہ میرا بھی یہی عقیدہ تھا، مگر یہ استدلال مجھے نہیں سوجھا تھا اور اس استدلال کو امام ابن کثیر نے بھی اصح اور اقویٰ قرار دیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر، ج:۴، ص:۱۸ میں ہے۔

" والذى استدل به محمد بن كعب القرظى على

أن إسمعيل اثبت واصح واقوى والله تعالى اعلم ۔"

[ابن كثير، ج:٤، ص:١٨]

الشیخ الجلیل عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی تصریح فرماتے ہیں:

" رب هب لي من الصحين، وذلك عند ما أليس من قومه ولم ير فيهم خيرا دعا الله ان يهب له غلاما صالحا ينفع الله به في حياته وبعد مماته فاستجاب الله له وقال: ﴿ فبشرنٰه بغلام حليم ﴾ وهذا اسمعيل عليه السلام بلا شك فانه ذكر بعده البشارة باسحق ولان الله تعالى قال في بشراه باسحق فبشرناها باسحق ومن ورآء اسحق يعقوب، فدل على ان اسحق غير الذبيح ووصف الله اسمعيل عليه السلام بالحليم ۔

[تيسير الكريم الرحمن، ج:٦، ص:١٩١]

''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے مایوس ہو چکے اور ان میں خیر کا کوئی پہلو نہ دیکھا تو وہاں سے چل پڑے اور غربت کے ایام میں دعا مانگی کہ اے میرے اللہ! مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میری حیات اور ممات میں نافع ہو، تب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور غلام حلیم کی بشارت دی اور غلام حلیم بلاشبہ اسمٰعیل ہی ہیں۔ کیوں کہ اس کے بعد ایک اور بشارت اسحٰق کی ولادت کی دی اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارئ کو نہ صرف حضرت اسحٰق کی بشارت دی، بلکہ اسحٰق کے بعد پوتے یعقوب کی بشارت بھی دی۔ پس قرآن کا یہ بیان اس بات کی صریح نص ہے کہ حضرت اسحٰق ذبیح ہرگز نہیں۔ کیوں کہ حضرت یعقوب کی ولادت کے لیے حضرت اسحٰق کا ذبیح نہ ہونا امرناگزیر ہے۔''

الشیخ محمد علی الصابونی تصریح فرماتے ہیں:

﴿ فبشرنٰه بغلام حليم ﴾ هذا الغلام هو (اسماعيل) عليه السلام فانه اوّل ولد بشر به ابراهيم عليه السلام وهو اكبر من اسحق باتفاق المسلمين واهل الكتاب بل نص في كتابهم ان اسمعيل عليه السلام ولد ولابراهيم عليه السلام ست وثمانون سنة وولد اسحق وعمر ابراهيم عليه السلام تسع وتسعون سنة وعندهم ان الله تعالى امر ابراهيم ان يذبح ابنه وحيد وفي نسخة بكرة فاقحموا ههنا كذبا وبهتانا (اسحق) ولا يجوز هذا لانه مخالف لنص كتابهم وانما اقحموا اسحاق لانه ابوهم واسمعيل ابو العرب فحسد وهم ۔

[مختصر تفسير ابن كثير، ج:٣، ص:١٨٦]

''غلام حلیم سے اسماعیل ہی مراد ہیں، اوّل اس لیے کہ حضرت ابراہیم کو اوّلین بشارت اسی اسماعیل ہی کی دی تھی۔ دوم اس لیے کہ تمام مسلمانوں اور اہل کتاب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت اسحٰق سے بڑے ہیں بلکہ ان کی کتاب بائبل کی کتاب پیدائش میں صریح نص ہے کہ حضرت اسماعیل کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہما السلام کی عمر شریف ۸۶ برس تھی اور حضرت اسحٰق کی پیدائش کی وقت حضرت ابراہیم ۹۹ برس کے تھے اور یہودیوں کو یہ بھی تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنے اکلوتے اور پہلونٹے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تھا اور پہلونٹے اسماعیل ہی ہیں کہ وہ حضرت اسحٰق سے علی الاقل ۱۳ برس بڑے ہیں۔ چوں کہ ذبیح اللہ ہونا ایک عظیم الشان اور جلیل القدر شرف اور اعزاز ہے، اس لیے یہود بے بہبود نے اس غیر معمولی شرف سے حضرت اسحٰق کو متشرف کرنے کے لیے از راہِ کذب و بہتان حضرت اسحٰق کو ذبیح اللہ لکھ کر صریح اور مجرمانہ خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔''

<u>دلیل رابع:</u> قرآنِ مجید میں جن مقامات پر حضرت اسحٰق کی بشارت فرمائی گئی ہے، وہاں ان کے لیے غلام علیم دانا لڑکے کے الفاظ

استعمال کیے گئے ہیں۔

﴿ فبشروه بغلام علیم ﴾ [الذاریات:۲۸]

''مہمانوں نے ابراہیم کو صاحب علم بیٹے کی خوش خبری دی۔''

﴿ قالوا لا توجل انا نبشرك بغلام علیم ﴾

''ملائکہ نے کہا ڈریے نہیں ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں۔'' [الحجر:۵۳]

مگر قربانی کے لیے منتخب جن فرزند خورسند کے متعلق بشارت دی گئی ہے ان کے لیے غلام حلیم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس انداز بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دو صاحبزادوں کی دو نمایاں صفات الگ الگ تھیں اور ذبح کا حکم غلام علیم کے لیے نہیں بلکہ غلام حلیم کے لیے ہوا اور لقب حلیم (جیدار) سوائے ابراہیم اور ان کے فرزند گرامی قدر حضرت اسماعیل کے قرآن میں کسی اور نبی کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ اس کا انکار نہیں کہ علم نہایت مطلوب صفت ہے مگر قربانی میں علم کے بجائے صبر، حسن خلق، سعۃ صدر اور عفو جیسی صفات کا ہونا ضروری ہے کہ ان کے بغیر قربانی جیسے انتہائی اقدام کا تصور بھی ممکن نہیں اور صفت حلیم (جیدر) ان چاروں صفات کو متضمن ہے۔ پس ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہما السلام۔

<u>دلیل خامس:</u> قرآنِ مجید میں یہ بات بھی عیاں طور پر ثابت ہے کہ ذبح ہونے والے گرامی قدر اور وفادار برخوردار نے اس عظیم ابتلاء پر اپنے ابا جی کے ساتھ صبر واستقامت کا وعدہ بھی فرمایا تھا:

﴿ ستجدنی ان شاء الله من الصبرین ﴾ [الصفت]

اور جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ صبر کی یہ صفت بنسبت اسحٰق کے حضرت اسماعیل میں افزوں تر تھی:

﴿ اسماعیل وادریس وذالکفل کل من الصبرین ﴾ [الانبیاء:۸۵]

''اسماعیل، ادریس اور ذالکفل سب صابر بزرگ تھے۔ اور ایفاء وعدہ کی صفت ☆ اور ایفاء وعدہ کی صفت بھی صرف حضرت اسماعیل ہی کی بیان کی گئی اور اس کارنامے پر ان کا لقب صادق الوعد بھی قرار پاچکا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ واذکر فی الکتب اسمعیل انه کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا ﴾ [سورہ مریم]

اور مزید فرمایا:

﴿ وکان عند ربه مرضیا ﴾

''آپ اس کتاب میں اسماعیل کا تذکرہ فرمائیں کہ وہ صادق الوعد اور رسول نبی تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ بزرگ تھے۔''

لہٰذا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ تینوں خصوصی صفات (حلیم، صادق الوعد اور صابر) ہونا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں۔

<u>دلیل سادس:</u> ایک تاریخی دلیل، قال مجاہد:

"ھو اسمعیل علیه الصلوة والسلام وقد رأیت قرنی الکبش فی الکعبة ۔" [تفسیر ابن کثیر، ج:۳، ص:۱۸۸]

وقال الشعبی ھو اسمعیل علیه الصلوة والسلام وقد رأیت قرنی الکبش فی الکعبة ۔ [تفسیر ابن کثیر، ج:٤، ص:۱۸]

''مجاہد اور شعبی جیسے تابعین کہتے ہیں کہ ذبیح اللہ اسماعیل ہی تھے اور ہم نے اسماعیل کے بدل میں ذبح کیے جانے والے مینڈھے کے سینگ بیت اللہ میں خود دیکھے ہیں اور یہ بھی طے ہے کہ حضرت اسحٰق کا بچپن میں مکہ مکرمہ تشریف لانا ثابت نہیں اور قربانی کا واقعہ مکہ میں پیش آیا ہے۔''

الشیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

☆......اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں حضرت اسحٰق اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام صبر، استقامت اور ایفائے وعدہ کی صفات سے محروم تھے۔ تمام انبیاء کرام ان صفات سے مالا مال تھے، مگر اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل میں صبر کی صفت قدرے نمایاں تھی۔ فهم ولا تکن من القاصرین

" (فبشرناه باسحق ومن ورآء اسحق يعقوب) ای یولد فی حیاتهما ولد یسمی یعقوب فیکون من ذریته عقب ونسل فکیف یمکن بعد هذا ان یومر بذبحه صغیرا ۔" [مختصر تفسیر ابن کثیر، ج:۳، ص:۱۸٦]

''کہ حضرت اسحٰق کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم کو اسحٰق بیٹے کے بعد پوتے یعقوب کا مژدہ بھی سنایا گیا ہے اور یعقوب صاحب نسل اور عقب ہوگا، پس ایسے تناظر میں حضرت اسحٰق کی قربانی کا حکم کیسے ممکن ہے؟''

دلیل سابع: جمہور مفسرین کا فیصلہ:

وجمهور المفسرين على ان هذا الغلام المبشر به هو (اسماعيل) لان الله تعالى قال بعد تمام قصة الذبيح (وبشرناه باسحق نبيا من الصلحين فدل ذالك على ان الذبيح هو اسمعيل ۔) [صفوة التفاسير، ج:۳، ص:۳۹، ٤٠ والنبوة والانبياء، ص:۱۷۳]

''جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اوّلین بشارت جس بچے کی دی گئی تھی وہ اسماعیل ہی تھے کیوں کہ ذبیح کے تمام قصہ کے بعد حضرت اسحٰق کی خوشخبری دی گئی تھی جس کے متعلق فرمایا کہ وہ نبی ہوگا نیکوکار جماعت میں سے۔ لہٰذا قرآن کا یہ سیاق اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔''

علامہ جلیل الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی ارقام فرماتے ہیں:

(وتله للجبين) ای تل ابراهيم اسمعيل على جبينه ليضجعه فيذبحه وقد انكب لوجه لئلا ينظر وقت الذبح الى وجه ۔

[تیسیر الکریم الرحمن، ج:٦، ص:۱۹۱]

''کہ حضرت ابراہیم نے بیٹے اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹا دیا تاکہ اس کو لٹا کر ذبح کرے درانحالیکہ اسماعیل کا چہرہ زمین کی طرف پھیر دیا تاکہ اس کے منور چہرے پر نظر پڑنے سے ذبح کرنے میں محبت آڑے نہ آجائے۔''

چہ خوش گفت شاعر

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ ہم انھیں چھوڑ بیٹھے ہیں
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے

خلاصہ بحث یہ قرآنِ مجید اور کتابِ مقدس کی تصریحات اور تنقیحات سے ثابت ہوا کہ ذبیح اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ جن مفسرین حضرت اسحٰق کا نام لیا ہے وہ کعب احبار سے سنا سنایا دروغ بے فروغ ہے جو یہود بے بہبود کے حسد بے جا کا ملغوبہ ہے اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ هذا ما عندی و الله تعالى اعلم بالصواب



تعطیلات عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ 1429ھ کے مبارک موقع پر بسلسلہ تعطیلات دفتر الاعتصام اور سلفیہ لائبریری مؤرخہ 8 دسمبر تا 13 دسمبر 2008ء بروز پیر تا ہفتہ بند رہیں گے۔ نیز آئندہ شمارہ نمبر 49 مؤرخہ 19 دسمبر 2008ء کو اشاعت پذیر ہوگا، ان شاءاللہ

قارئین الاعتصام کو عید الاضحیٰ مبارک

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ

[ادارہ]

صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع اور ثقہ راوی کی زیادت

حافظ زبیر علی زئی

مثال ہشتم: ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: ''میں تمہارے پاس سے گزرا اور تم آہستہ آواز میں قراءت کر رہے تھے؟ انھوں نے کہا: میں اسے (اللہ کو) سناتا تھا جس سے میں سرگوشی کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: آواز تھوڑی بلند کیا کرو۔

آپ (ﷺ) نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: ''میں تمہارے پاس سے گزرا اور تم اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے؟'' انھوں نے جواب دیا: میں سوئے ہوؤں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی آواز ذرا کم کیا کرو۔''

[سنن الترمذی : ٤٤٧ وقال : غریب الخ]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث کو صرف یحییٰ بن اسحاق (السیلحینی) نے عن حماد ابن سلمة (عن ثابت البناني عن عبداللہ بن رباح الأنصاري عن أبي قتادة رضی اللہ عنہ) کی سند سے بیان کیا ہے اور اکثر لوگ اس حدیث کو ثابت عن عبداللہ ابن رباح (رحمہ اللہ عن النبي ﷺ) مرسلاً بیان کرتے ہیں۔

[جامع ترمذی بتحقیق مختصر للشیخ الالبانی ص ١٢٠]

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں یحییٰ بن اسحاق ثقہ راوی کا تفرد ہے۔ ثقہ راوی کے تفرد والی اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۱۸۹/۲، ۱۹۰ ح ۱۱۶۱) حافظ ابن حبان (الاحسان ۳/ ۷ ح ۷۳۰، دوسرا نسخہ: ۷۳۳) حاکم (المستدرک ۱/ ۳۱۰) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے جو اس کی بات دلیل ہے کہ ان تمام محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادت صحیح و معتبر ہوتی ہے۔ والحمدللہ

تنبیہ نمبر۱: حدیثِ مذکور کو شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ معاصرین نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

تنبیہ نمبر۲: نیز دیکھئے سنن ابی داود (۱۳۲۹)

مثال نہم: سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا تم کوئی مزید چیز چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے سفید (روشن) نہیں کر دیے؟ کیا تو نے ہمیں آگ سے نجات دے کر جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ پھر اللہ پردہ ہٹائے گا تو وہ اپنے رب کی طرف دیکھنے سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں دیے جائیں گے۔'' [صحیح مسلم: ۱۸۱، دارالسلام: ۴۴۹]

اسے حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن صہیب کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کو سلیمان بن المغیرہ نے ثابت سے انھوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے اور صہیب عن النبی ﷺ کا اضافہ بیان نہیں کیا۔ [سنن الترمذی: ۳۱۰۵]

امام ترمذی نے مزید فرمایا: اس حدیث کو صرف حماد بن سلمہ نے (متصل) سند کے ساتھ اور مرفوع بیان کیا ہے اور سلیمان بن مغیرہ (اور حماد بن زید) نے اس حدیث کو ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے۔ [ح ۲۵۵۲]

☆ سلیمان بن المغیرہ کی روایت کے لیے دیکھئے: تفسیر طبری (۱۱/ ۷۴) الزہد لابن المبارک (زوائد نعیم بن حماد الصدوق المظلوم: ۲۸۲ وسندہ صحیح)

☆ حماد بن زید کی روایت کے لیے دیکھئے: تفسیر طبری (۱۱/ ۷۵، وسندہ صحیح)

☆ معمر بن راشد کی روایت کے لئے دیکھئے: تفسیر طبری (۱۱/ ۷۵ وسندہ صحیح)

یہ بات مسلّم ہے کہ حماد بن سلمہ اثبت الناس عن ثابت ہیں لیکن اسی روایت کو مرفوع متصل بیان نہ کرنے والے بھی تینوں امام زبردست ثقہ ہیں اور جماعت ہونے کی بنا پر حماد سے زیادہ قوی ہیں۔

ہمارے نزدیک ثقہ کی زیادت معتبر ہونے کی وجہ سے صحیح مسلم والی روایت بالکل صحیح ہے اور تین ثقہ اماموں کی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مقطوع روایت بھی صحیح ہے۔ والحمدللہ

مثال دہم: امام زہری کی بیان کردہ عن عروة بن الزبير عن بشير بن أبي مسعود الأنصاري عن أبيه رضي الله عنه کی سند سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۲۱) وصحیح مسلم (۶۱۰) وغیرہما۔

اسے امام زہری سے ایک جماعت مثلاً امام مالک، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد اور شعیب بن ابی حمزہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ امام زہری سے اسامہ بن زید اللیثی (صدوق حسن الحدیث و ثقه الجمهور) کی روایت میں درج ذیل اضافہ ہے:

" ثم كانت صلا ته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد إلىٰ أن يسفر "

یعنی "پھر اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (فجر کی) نماز وفات تک اندھیرے میں تھی اور آپ نے دوبارہ کبھی روشنی کر کے (یہ نماز) نہیں پڑھی۔" [سنن ابی داود: ۳۹۴، مطبوعہ دارالسلام ۱/ ۳۴۱]

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" هذه الزيادة لم يقلها أحد غير أسامة بن زيد "

"اس زیادت (اضافے) کو اسامہ بن زید کے سوا کسی نے بھی روایت نہیں کیا۔" [صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۱۸۱ ح ۳۵۲]

صدوق راوی کے اس تفرد والی روایت کو امام ابن خزیمہ، حافظ ابن حبان (الاحسان: ۱۴۴۶) اور حاکم (۱/ ۱۹۲، ۱۹۳ ح ۶۹۲) نے صحیح قرار دیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق راوی کی زیادت صحیح و حسن ہوتی ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: چوں کہ امام زہری کی اصل حدیث صحیحین میں ہے اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/ ۴۴۱) میں انھوں نے اصل حدیث میں عروہ سے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا یہ روایت حسن ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: المستدرک للحاکم (۱/ ۱۹۰ ح ۶۸۲) میں اس حدیث کا ایک حسن لذاتہ شاہد بھی ہے لہٰذا اسامہ بن زید کی حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (مخطوط ص ۴۳ ح ۲۱۳) والحمدللہ

تنبیہ نمبر ۳: جس طرح مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے شاگرد خبیب صاحب نے صحیح مسلم کی حدیث کو شاذ (یعنی ضعیف) قرار دیا، اُسی طرح جناب نیموی صاحب نے اسامہ بن زید اللیثی کی حدیث کو "والزيادة غير محفوظة" کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۹۷ ح ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ نے جناب نیموی پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کو مسلط کر دیا۔ مولانا مبارکپوری نے نیموی کے اعتراضات کے جوابات دے کر اسامہ بن زید کی توثیق ثابت کی اور فرمایا:

" فإن زيادة الثقة إنما تكون شاذة إذا كانت منافية لرواية غيره من الثقات و أما إذا لم تكن منافية فهي مقبولة وهو مذهب المحققين وسيأتي تحقيقه في باب وضع اليدين علىٰ الصدر وزيادة أسامة بن زيد في هذا الحديث لا ينافي لرواية غيره فهذه الزيادة مقبولة بلامرية ـ" [ابكار المنن فى تنقيد آثار السنن ص ۸۰]

"کیوں کہ ثقہ کی زیادت تو اس وقت شاذ ہوتی ہے جب وہ دوسرے ثقہ راویوں کے منافی ہو اور اگر منافی نہ ہو تو وہ مقبول

ہوتی ہے اور یہی محققین کا مذہب ہے، اس کی تحقیق سینے پر ہاتھ باندھنے والے باب میں آئے گی اور اس حدیث میں اسامہ بن زید کی زیادتی (اضافہ) دوسرے راویوں کے منافی نہیں ہے پس یہ زیادت بغیر کسی شک کے مقبول ہے۔''

صحیح مسلم کی حدیث کو ضعیف قرار دینے والوں کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ اگر اسامہ بن زید اللیثی کی زیادت مقبول ہے تو سلیمان التیمی کی زیادت کیوں مقبول نہیں ؟!

ہم جب کسی راوی کو ثقہ وصدوق، حسن الحدیث یا حدیث کو صحیح وحسن لذاتہ قرار دیتے ہیں تو اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے، تناقض وتعارض سے ہمیشہ بچتے ہوئے، غیر جانبداری سے اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے راوی کو ثقہ وصدوق حسن الحدیث اور حدیث کو صحیح وحسن قرار دیتے ہیں۔ ایک دن مرکر اللہ کے دربار میں ضرور بالضرور اور یقیناً پیش ہونا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی مرضی کی روایت کو صحیح وثابت کہہ دیں اور دوسری جگہ اسی کو ضعیف کہتے پھریں۔ یہ کام تو اہل الرائے مقلدین کا ہے!

اگر کوئی شخص میری کسی تحقیق یا عبارت میں سے تضاد وتعارض ثابت کردے تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ علانیہ رجوع کروں گا، توبہ کروں گا اور جو بات حق ہے برملا اس کا اعلان کروں گا۔ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، بس اگر اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے تو اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ اے اللہ! میری ساری خطائیں معاف کردے۔ آمین

صحیح بخاری وصحیح مسلم اور مسلک حق ''مسلک اہل حدیث'' کے لیے میری جان بھی حاضر ہے۔ یہ باتیں جذباتی نہیں بلکہ میرے ایمان کا مسئلہ ہے۔

قارئین کرام! ان دس مثالوں سے یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت اگر (من کل الوجوہ) منافی نہ ہو (جس میں تطبیق و توفیق ممکن ہی نہیں ہوتی) تو پھر عدمِ منافات والی یہ زیادت مقبول و حجت ہے۔ والحمد للہ

فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ:

خبیب صاحب کے بنیادی اعتراضات کا جواب دے کر صحیح مسلم کی حدیث کو صحیح ثابت کردیا گیا ہے، اب اس حدیث کے مفہوم کی تحقیق پیش خدمت ہے:

علمائے احناف وغیرہ حضرات اس حدیث ﴿و إذا قرأ فانصتوا﴾ ''اور جب (امام) قراءت کرے تو تم خاموش ہوجاؤ''، سے استدلال کرتے ہوئے فاتحہ خلف الامام سے منع کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ استدلال تین وجہ سے مردود ہے:

① ...... دل میں خفیہ آواز سے (سراً) پڑھنا فانصتوا (انصات/ خاموشی) کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهٗ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهٖ ثُمَّ خَرَجَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَسْجِدَ فَيَرْكَعَ إِنْ بَدَا لَهٗ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا، ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهٗ حَتّٰى يُصَلِّيَ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى ﴾ [مسند احمد ٥/ ٤٢٠ ح ٢٣٥٧١ وسنده حسن ، الطبراني في الكبير ٤/ ١٦١ ح ٤٠٠٧، آثار السنن : ٩١٣ وقال : "وإسناده صحيح"]

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو اسے لگائے اور اپنا اچھا لباس پہنے پھر مسجد کی طرف جائے پھر جو میسر ہو نماز پڑھے اور کسی کو تکلیف نہ دے پھر جب اس کا امام آجائے تو انصات کرے (خاموش ہوجائے) حتی کہ نماز پڑھ لے، یہ اس کے اور اگلے جمعے کے درمیان کا کفارہ بن جائے گا۔''

ایک روایت میں آیا ہے:

﴿ وَيُنْصِتَ حَتّٰى يَقْضِيَ صَلَاتَهٗ إِلَّا كَانَ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهٗ مِنَ الْجُمُعَةِ ﴾ [سنن النسائی: ٣/ ١٠٤ ح ١٤٠٤]

''اور پھر وہ خاموش رہے حتیٰ کہ وہ اپنی نماز مکمل کرے تو یہ

سابقہ جمعے تک کا کفارہ ہو جائے گا۔"

اس روایت کی سند میں ابراہیم نخعی مدلس ہیں لیکن یہی روایت دوسری سند کے ساتھ صحیح بخاری (۹۱۰) میں ((ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ))إلخ کے الفاظ سے ہے جو نسائی والی روایت کی تائید کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نسائی والی روایت بھی ان شواہد کے ساتھ حسن یا صحیح ہے۔ نسائی کی اس روایت کو مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے بھی بطورِ استدلال پیش کیا ہے۔

[توضیح الکلام طبع جدید ص ۶۰۷، طبع قدیم ۱۶۵/۲]

مسند احمد (۷۵/۵ ح ۲۰۷۲۱) میں سیدنا نبیشۃ الخیر الہذلی رحمہ اللہ سے اس کا ایک منقطع شاہد بھی ہے جسے مولانا اثری حفظہ اللہ نے پیش فرمایا ہے۔[توضیح الکلام جدید ص ۶۰۸، قدیم ۱۶۶/۲]

نیز دیکھئے میری کتاب نیل المقصود فی التعلیق علیٰ سنن ابی داود (مخطوط/عربی ج ۱ص ۱۲۵ ح ۳۴۳)

خلاصہ یہ کہ دل میں سراً و خفیۃً پڑھنا انصات کے منافی نہیں ہے لہٰذا احناف صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث سے استدلال مردود ہے۔

ایک شکایت: مسند احمد (۴۲۰/۵) کی جس مفصل روایت کو اس جواب کے شروع میں پیش کیا گیا ہے، اُس میں بنیادی راوی محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی ہیں۔ نیموی صاحب نے یہاں اُن کی حدیث کو "و إسناده صحيح" لکھا ہے لیکن دوسری جگہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں انھی محمد بن اسحاق بن یسار کے بارے میں "وهو لا يحتج بما انفرد به" اور وہ جس میں منفرد ہوں حجت نہیں ہیں(!) لکھا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۱۶۱ ح ۳۵۳)

کیا انصاف اسی کا نام ہے کہ ایک ہی راوی کی حدیث کو جب مرضی ہو تو صحیح کہہ دیا جائے اور جب مرضی کے خلاف ہو تو ضعیف و معلول قرار دے کر اس کے (روایت میں) حجت ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے۔ سبحان اللہ!

② ...... جو شخص پہلے جواب کو تسلیم نہیں کرتا، اُس کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ حدیث ((و إذا قرأ فانصتوا)) ماعدا الفاتحہ (یعنی سورۂ فاتحہ کے ماسوا) پر محمول ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اگرچہ اپنے اجتہاد کے مطابق صحیح مسلم کی حدیث مذکور پر کلام کیا ہے، جس میں وہ مجتہد ماجور ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں: "اور اگر یہ الفاظ صحیح ثابت ہو جائیں تو انھیں سورۂ فاتحہ کے ماسوا پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہ امام کے سکتوں میں قراءت کی جائے گی۔ رہا مسئلہ ترکِ قراءت کا تو یہ اس حدیث سے واضح نہیں ہے۔" [جزء القراءۃ: ۲۶۴، نصر الباری ص ۲۸۴]

معلوم ہوا کہ حدیث مذکور سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ جہری نماز میں یہ فاتحہ کے علاوہ قراءت کے ممنوع ہونے پر محمول ہے اِلا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ اس کی تخصیص کر دے۔ مثلاً اگر حافظ بھول جائے تو فاتحہ کے علاوہ بھی مقتدی قرآن کی متعلقہ آیت پڑھ کر اس حافظ کی بھول دور کر سکتا ہے جسے "لقمہ دینا" کہتے ہیں۔

تنبیہ: زمانۂ تدوینِ حدیث میں بعض محدثین کرام کا بعض صحیح احادیث اور ثقہ و صدوق راویوں پر جرح کرنا، دوسرے محدثین کرام کی تحقیقات کی روشنی میں رد کر دیا جاتا ہے لیکن جرح کرنے والے محدثین یا محدث کو مجتہد مخطئ ہونے کی وجہ سے ماجور و معذور سمجھا جائے گا کیوں کہ ان کی امامت و عدالت کا یہی تقاضا ہے کہ ان کی نیت نیک تھی۔ ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ اصولِ حدیث اور جمہور محدثین کی توثیق کے مطابق صحیح و حسن احادیث کو قبول کریں۔

③ ...... اگر کوئی شخص سابقہ دونوں جوابات نہ مانے اور اس حدیث کو فاتحہ خلف الامام کے خلاف پیش کرنے پر بضد رہے تو عرض ہے کہ مخالفت راوی کے اصول سے یہ حدیث منسوخ ہے۔ حدیث مذکور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جسے امام مسلم نے صحیح کہا ہے اور نیموی صاحب بھی لکھتے ہیں:

" وهذا حديث صحيح "

اور یہ حدیث صحیح ہے۔ [آثار السنن ص ۱۷۵ ح ۳۶۰]

دوسری طرف اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دینا ثابت ہے۔ مثلاً انھوں رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تُو اُس کے ساتھ قراءت کر اور اس سے پہلے ختم کرلیا کر۔'' الخ [جزء القراءۃ للبخاری: ۱۵۳، وسندہ صحیح، آثار السنن: ۳۵۸ وقال: وإسنادہ حسن]

بعض مقلدین کا یہ دعویٰ کرنا کہ ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ کے خلاف ہے'' محض ظن وتخمین پر مبنی ہونے اور بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ومردود ہے۔

صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور کے تحقیقی دفاع کے بعد اب خبیب صاحب کے بعض فقروں کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) حسن لغیرہ (ضعیف+ضعیف+ضعیف) کے حجت نہ ہونے کے بارے میں مشہور عالم اور شیخ حافظ ابن القطان الفاسی المغربی (متوفی ۶۲۸ھ) سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ

" لا يحتج به كله ، بل يعمل به في فضائل الأعمال ... " إلخ

''اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔'' الخ [النکت علیٰ ابن الصلاح ۱/۴۰۲]

حافظ ابن حجر نے ابن القطان کے اس قول کو "حسن قوي" قرار دیا ہے۔

اس موضوع پر عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم کی ایک کتاب "الحسن بمجموع الطرق في ميزان الإحتجاج بين المتقدمين والمتأخرين " ۲۱۳ صفحات پر مطبوع ہے اور محترم مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کی لائبریری میں موجود ہے، وہاں سے منگوا کر یا خود جا کر پڑھ لیں۔

زرکشی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ "ولو بلغت طرق الضعيف ألفًا لا يقوي ولا يزيد انضمام الضعيف إلى الضعيف إلا ضعفًا " اور اگر ضعیف (روایت) کی ہزار سندیں بھی ہوں تو اس سے تقویت نہیں ہوتی اور ضعیف کو ضعیف کے ساتھ ملانے سے صرف ضعف ہی زیادہ ہوتا ہے۔

[النکت علیٰ ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۰۴]

علامہ زرکشی نے حافظ ابن حزم کے قول کو شاذ ومردود کہہ کر رد کر دیا ہے مگر عمرو بن عبدالمنعم نے زرکشی کی مخالفت کی ہے۔ دیکھئے الحسن بمجموع الطرق (ص ۷۱، ۷۲)

علمائے کرام کے ان اقوال اور دیگر اقوال کے باوجود یہ کہتے پھرنا کہ حسن لغیرہ حجت ہے اور اس پر اجماع ہے (!) بہت عجیب و غریب بات ہے......!

کیا خیال ہے صحیح مسلم کی حدیث ((و إذا قرأ فانصتوا)) حسن لغیرہ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتی؟ اور اگر پہنچتی ہے تو پھر صحیح مسلم کی حدیث کے خلاف اتنا لمبا مضمون لکھنے کا کیا فائدہ تھا؟! **فيا للعجب !!**

(۲) صدوق راوی کی زیادت کو حسن سمجھنے کے لئے صرف نخبۃ الفکر کا حوالہ بھی کافی ہے جو کہ اسی مضمون میں باحوالہ گزر چکا ہے۔

صدوق موثق عند الجمهور کی روایات کو حسن وصحیح قرار دینا محدثین اور محققین کے مسلسل اقوال سے ثابت ہے۔ مثلاً زیادتِ ثقہ کی دسویں مثال میں اسامہ بن زید والی روایت کو شیخ البانی نے ''وهذا إسناد حسن'' إلخ قرار دیا ہے۔ دیکھئے صحیح سنن ابی داود (۲/۲۵۱)

اس کے باوجود ''اصول سازی'' اور ''مصطلح سازی'' کا طعن کیا معنی رکھتا ہے؟ سبحان اللہ!

حافظ ابن حجر کا قول (النکت ۲/۶۹۰) خود ان کے اپنے قول (شرح نخبۃ الفکر ص ۳۱۵) کے خلاف ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔

(۳) محترم خبیب صاحب نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی چھتری تلے صحیح مسلم کی ایک روایت اور بعض اسانید پر بحث کی ہے جو کہ مرجوح ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ چوں کہ اس بحث سے ((و إذا قرأ فانصتوا)) والی حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی لہٰذا ان اعتراضات پر طویل بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی بعض روایات پر اعتراضات کر کے خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''صحیح بات تو یہ ہے کہ ان مثالوں سے امام مسلم کی معرفت حدیث عبقری شخصیت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔'' [الاعتصام لاہور ۶۰/۳۶ ص ۲۲] سبحان اللہ

[بقیہ صفحہ ۳۴ پر]

اصــولِ دعــوت

(دارالفلاح پاکستان کے پروگرام ''تعلیم وتربیت کورس'' میں خطاب)

شیخ عمر فاروق

(د) اسلام میں ظاہری عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ آ جاتے ہیں مگر ایمان میں آدابِ زندگی کی بہت سی باتیں آ جاتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

《 اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ 》[مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان وافضلها وادناها، رقم: ١٥٣]

''ایمان کے ستر سے کچھ اوپر حصے ہیں، اُن میں افضل ترین لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے، سب سے کم، راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایمان میں شامل ہے۔''

کہیں ارشاد ہوا:

《 لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ 》[بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب، رقم: ١٣]

''تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

پھر کبھی یوں بھی ارشاد ہوا:

《 مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ 》 [مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار الضیف، رقم: ١٧٤]

''جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اُس پر لازم ہے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

گویا ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، غربا ومساکین کی خدمت، پڑوسیوں سے ہمدردی، مریضوں کی تیمارداری، اپنوں اور غیروں کے ساتھ انصاف، پاکیزہ اور سچی گفتگو، کھرا اور صاف ستھرا معاملہ، شائستہ اور مہذب زندگی کے اثرات نمایاں ہوں۔

داعی اور دعوت الی اللہ:

مسلمان اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ دنیا میں خیر کو پھیلانا اور شر کو مٹانا اُس کی ذمہ داری ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ بحیثیت مجموعی دعوتِ اسلام کو پھیلانا ہر مسلمان کا فریضہ ہے وہ اس دعوت کا آغاز اپنی جان اور اپنے اہل خانہ سے کرے، رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نارِ جہنم سے بچاؤ۔'' [التحریم:٦]

خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی دعوت کا آغاز خانہ نبوت سے کیا، آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، بچوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے کہ وہ آپ ﷺ ہی کی

کفالت میں تھے، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت پر مامور تھے، قریبی دوست واحباب میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو عزیز واقارب اور پاس پڑوس کے لوگ آجاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ [الشعرآء: ٢١٤]

''اور اپنے قریب ترین عزیز واقارب کو ڈرایئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی سلسلہ میں خاندان بنی ہاشم کی ایک ضیافت اپنا پیغام سنانے کے لیے منعقد کی تھی اور اس میں اجمالاً بیان فرمایا تھا کہ یہ دعوت دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کی ضامن ہوگی، قریش کے وفد سے گفتگو کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 فَاِنْ تَقْبَلُوْا مِنِّیْ مَا جِئْتُكُمْ بِهٖ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِی الدُّنْيَا وَفِی الْاٰخِرَةِ 》[محسن انسانیت۔ نعیم صدیقی]

''تم اگر میری وہ دعوت قبول کرلو، جسے میں پیش کررہا ہوں تو اِس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔''

پھر دھیرے دھیرے دعوتِ حق کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے، رشتہ داروں اور دوستوں سے آگے، قبیلوں اور بستیوں تک پھیل جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں مختلف کیمپوں میں جاکر پیغامِ حق سناتے، قبائل کے سرداروں سے بات چیت فرماتے، یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب وعجم کے مختلف سلاطین کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط اور وفود بھیجے، اِس طرح دعوتِ حق دنیا میں پھلی پھولی۔

اندازِ دعوت وتربیت:

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ ﴾ ''اپنے رب کے راستے کی طرف بلایئے''، بلانے کی اضافت اور نسبت رب کی طرف جاتی ہے، جس میں اشارہ ہے کہ یہ کام بڑا عظیم ہے، کیوں کہ اِسے عظمت والے رب کی رضا کے لیے سرانجام دیا جاتا ہے اور جو شخص اِسے سرانجام دے گا وہ بھی اپنے رب کے ہاں قدر ومنزلت پالے گا۔

''الرب'' کے معنی میں بھی خصوصیت ہے یعنی کسی چیز کی تربیت اور پرورش اس طرح کرنا کہ وہ چیز حد کمال کو پہنچ جائے ...... تم زمین کو ہموار کرکے، ہل چلاتے ہو، بیج بوتے ہو، اُسے پانی دیتے ہو ...... دانے سے کونپل پھوٹتی ہے، اُس سے چھوٹا سا پودا بنتا ہے، پھر وہ بڑھتے بڑھتے چھوٹا سا درخت بنتا اور بالآخر ایک تناور درخت کا روپ دھارتا ہے اور اُس پر اللہ کی رحمت سے پھل پھول لگنا شروع ہوتے ہیں۔

داعی الی اللہ کا معاملہ بھی کچھ اِسی طرح کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف داعی حق بنا کر بھیجا تو تاکید فرمائی کہ لوگوں کو توحید کی طرف بلانا، جب وہ اِس پر مضبوط ہوجائیں، تو انھیں نماز کا حکم دینا اور جب وہ پابندی سے نماز پڑھنا شروع کر دیں، تو انھیں زکوٰۃ کی طرف متوجہ کرنا، اور اُن کے امرا سے وصول کر کے اُن کے غربا میں لوٹا دینا۔ [بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وتردد فی الفقراء حیث کانوا، رقم: ١٤٦٩]

یہ کتنی خوب صورت ترتیب ہے! ہمارے یہاں کیا ہوتا کہ ہر امیر غریب سے زبردستی ٹیکس وصول کیا جاتا، غریب جس کے پاس بچوں کے لیے نان جویں بھی نہیں ہے اُسے بھی حکومت کو ٹیکس ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اسلام احوال کو پیش نظر رکھتا ہے

غور کیجیے اگر کوئی شخص مرض کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتا، تو رخصت ہے کہ وہ بیٹھ کر پڑھ لے، اگر وہ بیٹھ نہیں سکتا تو لیٹ کر پڑھ لے اگر وہ قبلہ رو نہیں ہوسکتا، تو جدھر بھی رخ کرے اللہ تعالیٰ کو پالے گا: ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ [البقرۃ: ١١٥] ''تم جدھر بھی رخ کرو، اللہ کو پالو گے''، بوقت جنگ سواری سے نیچے نہیں اُتر سکتے تو اُسی پر نماز ہوجائے گی، اِسی طرح رمضان کے روزوں کی، مریضوں پر رخصت ہے کہ وہ صحت یاب ہونے پر روزوں کی گنتی کو پورا کرلیں، وہ کریم تمہارے اجر وثواب میں کمی نہ کرے گا۔

دعوت حکمت کے ساتھ:

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ ﴾

''اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور حکمت سے

بلایئے۔"

قرآنِ حکیم کے مطابق "حکمت" بہت بڑی نعمت ہے، ایمان کے بعد سب سے قیمتی چیز ہے بلکہ حصول ایمان بھی حکمت کا نتیجہ ہے۔

" رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ "

"سب سے بڑی دانائی اللہ کا خوف ہے۔" اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ [البقرة: ٢٦٩]

"(رب کریم) جسے چاہتا ہے دانائی سے نوازتا ہے اور جسے دانائی عطا کی گئی وہ تو خیر کثیر سے نوازا گیا۔"

حکمت کیا ہے؟ کھرے اور کھوٹے میں پہچان، حق اور باطل میں فرق، نیکی اور بدی کی شناخت، پھر سچی بات کو اختیار کر لینا اور جھوٹی بات کو چھوڑ دینا۔

دعوت میں حکمت: مخاطب کے لیے کون سا اسلوب اختیار کیا جائے، بچوں کے لیے اُن کے فہم کے مطابق اور بڑوں کے لیے اُن کے ذہن کے مطابق، شہریوں کے لیے ان کے ذوق کے مطابق اور دیہاتیوں کے ساتھ اُن کی عقل کے مطابق دعوت کی بات چیت ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آ کر عرض کرتا ہے کہ مجھے وصیت فرمایئے، آپ فرماتے ہیں: «لَا تَغْضَبْ» "غصہ نہ کیا کرو"، وہ دوبارہ، سہ بارہ سوال کرتا ہے تو آپ ﷺ ہر بار اُسے یہی جواب ارشاد فرماتے: «لَا تَغْضَبْ» "غصہ نہ کیا کرو"، آپ ﷺ نے اُس کے چہرے مہرے سے پہچان لیا تھا کہ اگر اِس نے اپنے غصے پر قابو پالیا تو کندن بن جائے گا۔

اِسی طرح ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ مجھے کوئی اتنی مختصر بات بتا دیجیے جو میری کامیابی کی ضمانت بن جائے، آپ ﷺ اُسے فرماتے ہیں:

«قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»

"کہو! میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ثابت قدم رہو۔"

سبحان اللہ! کتنی مختصر اور جامع نصیحت ہے، ایک نباض حکیم سب کو ایک ہی جیسی دوائی نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کو اُس کا مرض تشخیص کرنے کے بعد اُس کے مطابق دوائی دیتا ہے۔

نرم گفتگو:

داعی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مخاطب سے نرم لب ولہجہ اختیار کرے، سیدنا موسیٰؑ کو حکم ہوتا ہے کہ فرعون کے دربار میں جاؤ اور اُسے دعوتِ حق پیش کرو، عرض کیا کہ میرے رب میری زبان میں لکنت ہے، اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے جانے کی اجازت دیجیے کہ وہ مجھ سے فصاحت میں فضیلت رکھتا ہے۔ گویا فصاحت بھی تبلیغ کرتے وقت بہت بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے:

﴿ اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ٥ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی ﴾ [طه: ٤٣، ٤٤]

"(اے موسیٰؑ!) تم اور تمہارے بھائی (دونوں) فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے، ہاں! اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آلِ عمران: ١٥٩]

"(اے پیغمبر ﷺ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر تُند خُو اور سنگ دِل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے۔"

داعی کے لیے ضرورتِ علم:

ربِ کریم کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [الزمر: ٩]

"کیا جاننے والے (اہل علم) اور نہ جاننے والے (بغیر علم کے) دونوں یکساں ہوسکتے ہیں۔"

ایمان کے ساتھ علم کا رتبہ اور اُس کی فضیلت تو اللہ کو بڑی پسند ہے اور وہ لوگ قدر و قیمت میں دوسروں سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ [المجادلة:١١]

''تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ اُن کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔''

ظاہر ہے کہ دین کا پیغام پہنچانے کے لیے علم کا ہونا ضروری اور لازمی امر ہے، کیوں کہ دین کو بلا کم وکاست لوگوں تک پہنچانا ہوگا اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ فریضہ امت کے ذمہ ہے اور علماء کے لیے اس کا حصول تو انتہائی ضروری ہے، اس لیے: ﴿العلماء ورثة الانبياء﴾[ابی داؤد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، رقم: ٣٦٤١]

''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔''

اور نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ [المائدة:٦٧]

''(اے پیغمبر ﷺ) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے (اسے من وعن) لوگوں تک پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اُس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔''

اور آپ ﷺ نے اِس پیغام کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہنچایا۔ وارثین انبیاء اُسی وقت اِس فریضہ سے سبکدوش ہو سکتے ہیں جب وہ اِسے حاصل کرنے کے بعد لوگوں تک پہنچائیں گے، آپ خود سوچیں کہ حصول علم کے بغیر دعوت کا کام بھلا کیوں کر ہو سکتا ہے؟

حسن عمل اور خاموش تبلیغ:

ایک مسلمان کے اچھے اخلاق اور پاکیزہ عمل خاموش دعوت کا کام کرتا ہے، اِس واقعہ پر غور کیجیے، جرمنی کا رہنے والا ایک شخص عرب علاقہ میں ٹرین میں سفر کر رہا تھا، گاڑی ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی، اس جرمن کا ہم سفر عرب مسلمان نیچے اترا اور اس نے کھانا خریدا، واپس آ کر اُس نے کھانے کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا، اور جرمن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ''بسم اللہ'' اُس جرمن نے جب معذرت کی تو وہ مصر ہوا کہ آپ کئی گھنٹے سے میرے اِس سفر کے ساتھی ہیں گویا میرے پڑوسی ہیں اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں تلقین کی ہے کہ تمہارا کھانا تمہارے لیے جائز نہیں ہے جب تک تم اپنے پڑوسی کی خبر نہ لو، اِس کھانے کو قبول کر لیجیے، اُس جرمن کا کہنا ہے کہ اُس عرب نے میرا دل موہ لیا اور میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا، چناں چہ اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن اور سیرت کا مطالعہ کیا اور پھر قلم کے ذریعہ اسلام کی بڑی خدمت کی، دنیا اس شخص کو ''محمد اسد'' کے نام سے جانتی ہے۔ اِن کی مشہور کتاب "A Road to Mecca" اور قرآنِ حکیم کا انگریزی میں ترجمہ "The Message of the Holy Quran" ہے۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ کے حسن اخلاق اور حسن عمل سے نہ معلوم کتنے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، ایک بدوی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مالی اعانت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ باہر جو ریوڑ ہے، اُسے لے لو' کہنے لگا: آپ مذاق کرتے ہیں؟ فرمایا: ''اللہ کا نبی اِس قسم کا مذاق نہیں کیا کرتا، یہ سارے کا سارا ریوڑ تمہارا ہے، اِسے لے جاؤ''، اُس شخص کی باچھیں کھل اُٹھیں اور وہ ریوڑ ہانکتے ہوئے اپنے قبیلے کی طرف لوٹا اور کہنے لگا: ''اے میرے قبیلے کے لوگو! مسلمان ہو جاؤ، اللہ کا نبی ﷺ اتنا اتنا مال دیتے ہیں کہ پھر کوئی غریب اور تنگ دست نہیں رہتا۔''

دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں سب سے اہم بات تقویٰ ہے، تقویٰ کے بارے میں ذیل کا واقعہ بڑا ایمان افروز ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے کسی کنارے کی طرف نکلے، ان کے ہمراہ ان کے چند ساتھی بھی تھے، ساتھیوں نے کھانے کے لیے دستر خوان بچھایا، اِسی دوران وہاں سے ایک چرواہے کا گزر ہوا، سیدنا ابن

عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا:

هَلُمَّ يا راعی! هَلُمَّ! فأَصِبْ مِنْ هٰذِهِ السُّفْرَةِ

''اے چرواہے: آؤ، آؤ! اِس دسترخوان سے تم بھی کچھ کھا پی لو۔''

چرواہا بولا:''اِنِّیْ صَائِمٌ'' میں روزے سے ہوں۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" أَتَصُوْمُ فِیْ مثلِ هٰذَا الْيَوم الحارّ شَدِيْد سَمُوْمُهٗ وَاَنْتَ فی هٰذِهِ الْجِبالِ تَرْعَی الْغَنَمَ ؟ "

''اِس طرح کے سخت گرم دن میں تم روزے کی مشقت برداشت کر رہے ہو جب کہ لو نہایت تیز ہے اور تم اِن پہاڑوں میں بکریاں چرا رہے ہو۔''

چرواہے نے جواب دیا: جی ہاں! میں ان خالی ایام کی تیاری کر رہا ہوں، جن میں عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اِس لیے اِس دنیا میں ہی کچھ تھوڑا بہت عمل کر رہا ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چرواہے کے تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا امتحان لینے کے ارادے سے اُس سے کہا:''کیا تم اِس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچ سکتے ہو؟ ہم تمھیں اِس کی نقد قیمت دیں گے، مزید تمہارے افطار کے لیے گوشت بھی دیں گے۔

چرواہے نے جواب دیا:''یہ بکریاں تو میری نہیں ہیں جو بیچ دوں بلکہ میرے مالک کی ہیں اور مجھے تصرف کا کوئی حق نہیں ہے۔'' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''تمہارا آقا اگر کوئی بکری کم پائے گا اور تم اُسے کہہ دینا کہ وہ بکری گم ہوگئی ہے تو وہ کچھ نہیں کہے گا، کیوں کہ ریوڑ سے ایک دو بکریاں پہاڑوں میں گم ہوتی ہی رہتی ہیں!

یہ سنتا تھا کہ چرواہا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا یا وہ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر یہ جملہ کہے جا رہا تھا:

" اَيْنَ اللّٰهُ " پھر اللہ کہاں ہے؟ اللہ کہاں ہے؟

جب چرواہا چلا گیا تو سیدنا عبداللہ بن عمر اس کا یہ جملہ بار بار دہرانے لگے:" اَيْنَ اللّٰهُ " پھر اللہ کہاں ہے، اللہ کہاں ہے؟

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو چرواہے کے مالک کے پاس انھوں نے اپنے آدمی بھیجے اور اُس سے بکریاں اور اُس چرواہے کو خرید کر اُسے آزاد کر دیا اور بکریاں اُسے ہبہ کر دیں۔

[شعب الایمان للبیهقی، رقم: ۵۲۹۱۔ کتاب سنہری اوراق]

اللہ تعالیٰ ہمیں حسن عمل اور اِخلاص نصیب فرمائے۔



بقیہ: صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع

اس طرح تو شیخ البانی نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی جن روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، اس سے امام مسلم، امام بخاری کی معرفت حدیث اور عبقری شخصیات خوب نکھر کر سامنے آجاتی ہوں گی۔ سبحان اللہ!

تحریر کرتے وقت یہ ضرور خیال رہنا چاہئے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور اس کی زد میں کون آ رہا ہے۔!

(۴) خبیب صاحب کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ راقم الحروف نے اس وقت توضیح الکلام کو مکمل بالاستیعاب پڑھ لیا تھا جب وہ پہلی دفعہ چھپی تھی اور میرے نسخے پر میرے اپنے قلم سے لکھے ہوئے حوالے اس پر گواہ ہیں۔ اس زمانے میں عبدالقدیر دیوبندی (حضروی) نے تدقیق الکلام نامی کتاب میں توضیح الکلام پر جو اعتراض کیا تھا اس کا جواب میں نے اسے بھیجا تھا جس کی اصل غالباً میری لائبریری میں محفوظ ہوگی۔

نیز توضیح الکلام جدید پر پرانے نسخے کے صفحات کے جو نمبر لکھے گئے ہیں وہ میرے ہی مشورے سے لکھے گئے ہیں۔ آپ اپنے استاذ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ سے پوچھ سکتے ہیں۔

وما علينا إلا البلاغ

[۱۰/ستمبر ۲۰۰۸ء، ۹/رمضان ۱۴۲۹ھ]



لاالہ الااللہ

کلید حمد و ثنا لا الہ الا اللہ خلاصہ ہائے دعا لا الہ الا اللہ
پہلیاں ہیں فقیہوں کے دین کی شرحیں قلندروں کی صدا لا الہ الا اللہ
حیات و موت کو آسان کرلیا میں نے بنا کے راہ نما لا الہ الا اللہ
بہ پیش دبدبہ خسروانِ تیغ بدست زبان پہ آہی گیا لا الہ الا اللہ
ہمہ خیال فسانہ ، ہمہ دلیل غلط بنائے ارض و سما لا الہ الا اللہ
نثار سید کونینؐ پر مرے ماں باپ سبق دیا بھی تو کیا لا الہ الا اللہ
نظر پڑی جو کہیں بارگاہِ سلطانی دماغ و دل نے کہا لا الہ الا اللہ
ڈرا رہے ہیں مجھے سرکشوں کے ہنگامے مگر ہے میری نوا لا الہ الا اللہ

میں اس چمن میں غریب الدیار ہوں شورشؔ
مری دعائے رَسا لا الہٰ الا اللہ

[کلیاتِ شورش کاشمیری]